قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

اشاعت کا تہترواں سال

ماہنامہ

طلوعِ اسلام

اپریل 2016ء

لاہور

علامہ اقبالؒ کے ایماء اور قائداعظمؒ کی خواہش پر 1938ء سے شائع ہونے والا ماہنامہ

جلد 69 شمارہ نمبر 04

اپریل 2016ء

ماہنامہ طلوعِ اسلام لاہور

ناشر و چیئرمین: محمد اکرم راٹھور

مجلسِ ادارت: ڈاکٹر انعام الحق، ڈاکٹر منظور الحق، خواجہ ازہر عباس

مدیر انتظامی: محمد سلیم اختر

قانونی مشیر: ملک محمد سلیم ایڈووکیٹ

زرِ تعاون	50 روپے فی پرچہ
پاکستان	-/550 روپے سالانہ
رجسٹرڈ ڈاک	-/800 روپے سالانہ
بیرون ملک	-/2500 روپے سالانہ
رجسٹرڈ ڈاک	-/4000 روپے سالانہ

اس شمارے میں

عنوان	مصنف	صفحہ نمبر
لمعات: تحفظ خواتین بل کے سلسلہ میں	ادارہ	4
تحریک طلوعِ اسلام کا تعارف	پرویز صاحب	6
پرویز صاحب کا نظریۂ اسلامی مملکت (قسط ہفتم)	منظور حسین لیل	12
علامہ محمد اقبالؒ کا دوسرا خواب	شیخ اللہ دتا ایڈووکیٹ	20
عورتوں پر تشدد۔۔ایک آیہ کریمہ کی دینی اور مذہبی تفسیر	خواجہ ازہر عباس	34
تحفظِ خواتین بل، ہنگامہ ہے کیوں برپا	فریحہ ادریس	38
شمیم انور۔۔۔کچھ یادیں، کچھ باتیں	پروفیسر ڈاکٹر زاہدہ درانی	42
باب المراسلات	ڈاکٹر انعام الحق	45

ENGLISH SECTION

Addresses in Memory of Miss Shamim Anwar — 54
1- Muhammad Ashraf 2- Saima Hameed

Surah *Al-Takwir* (الانفطار) – *Durus-al-Qur'an* By G.A.Parwez
Parah 30: Chapter 16 Translated by: Dr. Mansoor Alam — 58

Bank Account Idara Tolu-e-Islam

For Domestic Transactions
Bank A/C No: 0465-22-003082-7

For International Transactions
IBAN: Pk21 NBPA 0465 0022 0003 0827
Swift Code : NBPAPKKAA02L

National Bank of Pakistan Main Market, Gulberg Lahore

ادارہ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ) کی مطبوعات سے حاصل شدہ جملہ آمدن قرآنی فکر عام کرنے پر صَرف کی جاتی ہے

ادارہ طلوعِ اسلام B-25 گلبرگ نمبر 2، لاہور۔ 54660، (پاکستان) فون: 042-35714546
idarati@gmail.com www.facebook.com/Talueislam

اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز سے چھپوا کر B-25، گلبرگ II لاہور سے شائع کیا

طلوعِ اسلام

دلیلِ صبحِ روشن ہے ستاروں کی تنک تابی
افق سے آفتاب ابھرا، گیا دورِ گراں خوابی

عروقِ مردۂ مشرق میں خونِ زندگی دوڑا
سمجھ سکتے نہیں اس راز کو سینا وفارابی

مسلماں کو مسلماں کر دیا طوفانِ مغرب نے
تلاطم ہائے دریا ہی سے ہے گوہر کی سیرابی

عطا مومن کو پھر درگاہِ حق سے ہونے والا ہے
شکوہِ ترکمانی، ذہنِ ہندی، نطقِ اعرابی

اثر کچھ خواب کا غنچوں میں باقی ہے تو اے بلبل!
''نوا را تلخ تر می زن چو ذوقِ نغمہ کم یابی''

تڑپ صحنِ چمن میں، آشیاں میں، شاخساروں میں
جدا پارے سے ہو سکتی نہیں تقدیر سیمابی
وہ چشمِ پاک بیں کیوں زینتِ برگستواں دیکھے
نظر آتی ہے جس کو مردِ غازی کی جگر تابی

ضمیرِ لالہ میں روشن چراغِ آرزو کر دے
چمن کے ذرّے ذرّے کو شہیدِ جستجو کر دے

(بانگِ درا۔علامہ اقبالؒ)

(جاری ہے)

ادارہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

لمعات

تحفظِ خواتین بل کے سلسلہ میں

قرآنِ کریم نے متعدد جرائم کی سزا تجویز کی ہے لیکن ان میں سے کسی ایک کے متعلق بھی یہ نہیں کہا کہ یہ سزا عدالت کی طرف سے دی جا سکتی ہے۔ قرآن میں عدالت یا نظام عدل کا کہیں ذکر نہیں آیا۔ مثلاً سارق (چور) کی سزا کے سلسلہ میں فقط اتنا کہا ہے کہ ــــــ فَاقۡطَعُوۡۤا اَيۡدِيَهُمَا (5:38) چور، عورت ہو یا مرد، ان کا قطع ید کر دو۔ یا زانی اور زانیہ کی سزا کے سلسلہ میں یہ کہا ہے ــــــ فَاجۡلِدُوۡا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنۡهُمَا مِائَةَ جَلۡدَةٍ (24:2) ــــــ زانی عورت ہو یا مرد، انہیں سو کوڑے مارو۔ بہتان تراشی کی سزا کے سلسلہ میں بھی ــــــ فَاجۡلِدُوۡهُمۡ (24:4) کہا ہے، یعنی انہیں اسّی کوڑے لگاؤ۔ لواطت یا سحاقت کے ضمن میں کہا ہے ــــــ فَاٰذُوۡهُمَا (4:16) ــــــ انہیں مناسب سزا دو۔ جرم فحاشی کے سلسلہ میں کہا ہے ــــــ فَاَمۡسِكُوۡهُنَّ (4:15) انہیں پابند مسکن کر دو۔ آپ نے دیکھا کہ ان احکام میں کہیں بھی یہ نہیں کہا گیا کہ ملزم کو عدالت میں پیش کرو۔ عدالت فیصلہ کرے کہ وہ مجرم ہے یا نہیں اور جرم ثابت ہونے پر عدالت ہی اسے سزا دے جس کا نفاذ حکومت کی طرف سے ہو۔ اب سوچئے کہ اگر ان احکام کے الفاظ کے پیشِ نظر یہ سمجھ لیا جائے کہ ان سزاؤں کا حق ہر ایک کو دیا گیا ہے تو اس کا نتیجہ کیا ہو گا۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقۡطَعُوۡۤا اَيۡدِيَهُمَا کا یہ مطلب ہے کہ جس شخص کو تم چوری کرتے دیکھو اس کا ہاتھ کاٹ دیا کرو؟ قرآنِ کریم کا اسلوب یہ ہے کہ وہ عدل کا اصول بیان کرتا ہے۔ نظام عدل کو اُمت کی صوابدید پر چھوڑ دیتا ہے۔ عام جرائم تو ایک طرف، وہ حکومت کے خلاف بغاوت جیسے سنگین جرم کے سلسلہ میں بھی عدالت کا ذکر نہیں کرتا، صرف باغیوں کی سزا کا ذکر کرتا ہے (5:33)۔ لیکن عدالت کا ذکر نہ کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ وہ ہر شخص کو اجازت دیتا ہے وہ قانون کو اپنے ہاتھ میں لے لے۔

کسی شخص کا کسی کو مارنا پیٹنا ــــــ خواہ وہ جرم کی پاداش ہی میں کیوں نہ ہو ــــــ قانون کو اپنے ہاتھ میں لینا ہے۔ اگر آپ (مثلاً) کسی جیب تراش کو پکڑ کر پیٹنے لگ جاتے ہیں اور اس سے اس کا دانت ٹوٹ جاتا ہے، تو اسے اگر جیب تراشی کے جرم کی سزا ملے گی تو آپ کو اس ضرب خفیف یا شدید کے جرم کے ارتکاب کی سزا ملے گی۔ اس لئے کہ آپ نے قانون کو اپنے

ہاتھ میں لے لیا تھا۔آپ کا کام تھا کہ اس جیب تراش کو حوالہ پولیس کرتے۔

جب عام قانون یہ ہے تو بیویاں بیچاری ہی ایسی جنس مظلوم ہیں کہ خاوندوں کو اجازت دے دی گئی ہے کہ وہ قانون اپنے ہاتھ میں لے لیں اور انہیں مارنا پیٹنا شروع کر دیں۔لہٰذا، جس طرح فَاقْطَعُوْٓا - یا- فَاجْلِدُوْا کے معنی یہ نہیں کہ تم ان کے ہاتھ کاٹ دو یا انہیں کوڑے مارنے لگ جاؤ، بلکہ یہ معنی ہیں کہ عدالت انہیں اس قسم کی سزا دے۔اسی طرح سورۃ النساء میں وَاضْرِبُوْهُنَّ کے معنی بھی یہ نہیں کہ تم اسے خود ہی مارنے لگ جاؤ۔اس کے معنی بھی یہی ہیں کہ عدالتِ مجاز انہیں بدنی سزا بھی دے سکتی ہے۔

خواتین پر تشدّد کو روکنے کے لیے حالیہ بنائے گئے ایکٹ پر پاکستان کے مذہبی سیاسی حلقوں کی طرف سے مِلا جُلا ردِعمل سامنے آیا ہے۔کچھ مذہبی حلقوں کی طرف سے یہ اعتراض کیا جا رہا ہے کہ اس کی وجہ سے خاندانی نظام تباہ ہونے کا خدشہ ہے۔اس لئے اسے کسی صورت قبول نہیں کیا جا سکتا۔اور بعض کو اعتراض ہے کہ میاں بیوی کے تنازعہ کو عدالت میں لے جانے کا مطلب یہ ہے کہ ہماری پرائیویٹ زندگی کی تشہیر ہو جائے۔۔۔اسے کس طرح برداشت کیا جا سکتا ہے؟ اس سلسلہ میں اول تو یہ گذارش ہے کہ جب قرآن کریم متنازعہ فیہ امور کا فیصلہ عدالت یا حکم کے ذریعے کرانے کا حکم دیتا ہے تو اس میں پرائیویٹ اور پبلک لائف کا کیا سوال ہے۔میاں بیوی کے اختلافی معاملات کے سلسلہ میں ثالث مقرر کرنے کا حکم اسی سورۃ النساء میں ہے (4:35)۔۔۔۔اس میں تو پھر بھی شاید زیادہ پرائیویٹ باتیں سامنے نہ آئیں۔وہ بیوی کے خلاف سنگین تہمت کے سلسلہ میں ''لعان'' تجویز کرتا ہے (24:8-6)۔۔۔۔جو بہر حال، عدالت ہی میں ہوگا۔اس میں واضح الفاظ میں الزام ثابت کرنے یا اس سے بریت کی کوشش کی جائے گی۔پرائیویٹ زندگی کی اس سے بڑھ کر تشہیر اور کیا ہوگی۔

اس اعتراض کا جذبۂ محرکہ دراصل یہ ہے کہ ہمارے سامنے موجودہ حکام یا کونسلوں کے چیئرمین ہوتے ہیں جن کے سامنے ہماری پرائیویٹ زندگی کا پیش ہونا موجب تشہیر ہوسکتا ہے۔لیکن قرآنِ کریم جو مومنین کو حکم یا حاکم تجویز کرتا ہے ان کی صورت میں اس قسم کا خطرہ لاحق نہیں ہوسکتا۔وہ تو افرادِ ملت کے رازوں کے امین اور فریقین کے مشفق بزرگ ہوتے ہیں۔

(ماخوذ قرآنی فیصلے، جلد دوم، صفحہ نمبر 220، 221 سے)

غلام احمد پرویزؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قسط دوم

تحریک طلوعِ اسلام کا تعارف

(بانیٔ تحریک کے الفاظ میں)

ایک اور مقام پر موصوف نے کہا:

''حقیقت یہ ہے کہ مادی نظریۂ حیات کی رو سے' انقلاب کے لئے تشدد کے علاوہ اور کوئی ذریعہ کارگر ہو نہیں سکتا لیکن قرآنی نظریۂ زندگی کی رو سے احترام انسانیت' انسانی ذات پر ایمان کا بنیادی تقاضا ہے۔ یہ ظلم واستبدادکی قوتوں کی دراز دستیوں کو روکنے کے لئے قوت کے استعمال کی اجازت دیتا ہے۔ نظریۂ زندگی کی تبدیلی کے لئے قوت کے استعمال کی اجازت نہیں دیتا۔ اس لئے کہ قوت کے استعمال سے نظریہ میں تبدیلی نہیں آسکتی۔ یہ تبدیلی یقین (Conviction) سے آتی ہے اور (Conviction) کی بنیاد دلائل وبراہین کی رُو سے دل ودماغ کے اطمینان پر ہے۔ اسی کو قرآن کی اصطلاح میں ایمان کہتے ہیں''۔

''دنیا میں ساری قوتوں کا راز' ایمان میں مضمر ہے۔ جس قدر آپ کا یقین محکم ہے اسی قدر نا قابلِ تسخیر قوتوں کے آپ مالک ہیں۔ شکست وکامرانی کا بنیادی مدار ساز وسامان پر نہیں' یقین اور عدمِ یقین پر ہے۔ جن لوگوں کو اپنے مقاصد کی صداقت پر غیر متزلزل یقین ہو گا وہی دنیا میں کامیاب وشادکام ہوں گے۔ یہی شکست وفتح کا اٹل پیمانہ ہے۔ اسی سے قوموں کا مستقبل ماپا جاتا ہے۔ جب یقین ایمان کے درجہ تک پہنچ جائے اور ایمان ہو اللہ واحد القہار پر تو پھر دنیا کی کوئی طاقت آپ کو اپنے مقام سے نہیں ہلا سکتی''۔

''(نظام خداوندی) کے قیام کی پہلی منزل شعور کی بیداری ہے۔ شعور کی یہ بیداری اور فکر ونظر کی یہ تبدیلی اس نظام کے تصور کے عام کرنے میں اور اس کے درخشندہ اور تابناک نتائج کو نگۂ بصیرت کے سامنے لانے سے ہوتی ہے۔ اسی کا نام تعلیم کتاب وحکمت ہے۔ نبیٔ اکرم ﷺ نے اسی نقطۂ سے آغاز کار کیا تھا...... اس تصور کو عام کرنے سے ایسے' سعادت مند افراد نتھر کر الگ ہو جاتے ہیں جن کی نگاہوں میں کشادگی اور قلب میں وسعت ہوتی ہے۔ اسی کا نام نفس کی بالیدگی ہے اور تعلیم وحکمت کے ساتھ اس کا چولی دامن کا تعلق ہے''۔

تعلیم وحکمت کی وضاحت کرتے ہوئے پرویزؒ صاحب نے لکھا:

''تعلیم کا تعلق بالعموم انسانی ذہن سے ہوتا ہے اور تزکیہ کا تعلق قلبِ انسانی سے۔ کسی حقیقت کو اس انداز سے واضح کر دینا کہ وہ دوسرے کی سمجھ میں آجائے، تعلیم ہے۔ تعلیم سے ذہنی بصیرت تو حاصل ہو سکتی ہے قلبی ایقان نہیں۔ دنیا میں انقلاب پیدا کرنے کے لئے ذہنی جلا ہی کافی نہیں ہوتی، اس کے لئے قلبی تبدیلی کی ضرورت ہوتی ہے جو درحقیقت اعمالِ انسانی کا سرچشمہ ہے، جس سوسائٹی کے نظام کی بنیاد تزکیۂ قلب و تطہیرِ فکر پر نہیں وہ نظام کبھی نشوو ارتقاءِ انسانیت کا کفیل نہیں ہو سکتا۔ اس کا نتیجہ ہمیشہ فساد ہو گا۔ بہترین دساتیر وقوانین بھی اطمینان بخش نتائج مرتب نہیں کر سکتے جب تک ان قوانین کو نافذ کرنے والی جماعت اور ان پر عمل کرنے والی قوم کے قلب و نگاہ کی اصلاح نہ ہو چکی ہو۔ عمل کا محرک جذبہ، قوتِ ارادی ہے اور قوتِ ارادی کا تعلق دل سے ہے، دماغ سے نہیں۔ اس لئے تنہا علم عمل کا محرک نہیں ہو سکتا۔ قرآن اس قسم کی سوسائٹی تشکیل کرتا ہے جو اطاعتِ احکام میں اپنی ذات کی تسکین محسوس کرے۔ قلب کی اس کیفیت کا نام تزکیہ ہے۔ جب قرآن قلب کی گہرائیوں میں اتر جائے تو انسان کی نگاہ کا زاویہ بدل جاتا ہے اور داخلی دنیا کی اس تبدیلی سے خارجی دنیا میں انقلابِ عظیم آجاتا ہے۔ قرآن یہی انقلاب پیدا کرتا ہے''۔

(موصوف نے کہا)۔ ''قرآنی انقلاب کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ ہنگامی شورشیں برپا کرنا نہیں سکھاتا۔ وہ اپنی اساس فکری تبدیلی پر رکھتا ہے جسے وہ علیٰ وجہ البصیرت پیدا کرتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی وہ ان جذبات کی بھی حسن کارانہ انداز سے پرورش اور تربیت کرتا ہے جو انقلاب کے محرک ہوتے ہیں۔ وہ قلب اور دماغ، عقل اور عشق، جنون اور خرد، ذکر اور فکر، خبر اور نظر، دلائل اور جذبات کے صحیح امتزاج سے داخلی اور خارجی دنیا میں ایسی تبدیلی پیدا کرتا ہے جس میں ہر قدم تعمیر کے لئے اٹھتا ہے اور جو چیزیں بظاہر تخریبی نظر آتی ہیں، وہ بھی درحقیقت تعمیر ہی کی تمہید ہوتی ہیں۔ ''جنون اور خرد'' جیسے متضاد عناصر میں ہم آہنگی پیدا کر کے انہیں ایک بے پناہ قوت کا امین بنا دینا قرآن کی بنیادی خصوصیت ہے۔۔۔ اس قسم کا عقل اور جنون کا امتزاج جس میں نہ تو جنون مذہبی دیوانگی سکھا دے اور نہ ہی عقل اس جنون کی چنگاری کو اپنی خاکستر کے نیچے دبا کر بجھا دے، قرآن کے علاوہ اور کہیں نہیں مل سکتا۔ یہی ہیں وہ اربابِ ''خرد و جنون'' جنہیں وہ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۰﴾ الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَیَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ (3:190 -191) سے تعبیر کرتا ہے۔ یعنی وہ اربابِ عقل وبصیرت جو زندگی کی

ہر ساعت اور ہر گوشے میں وحی کی راہنمائی کو بھی پیشِ نظر رکھتے ہیں اور کائنات کی گہرائیوں اور بلندیوں پر بھی غور و فکر کرتے ہیں، یہی ہیں وہ مکمل عدل کا ''خواب'' دیکھنے والے جو اس ''خواب'' کو ایک زندہ حقیقت بنا کر رکھ دینے کے اہل ہوں''۔

طلوعِ اسلام کی دوسری سالانہ کنونشن سے خطاب کرتے ہوئے پرویزؔ صاحب نے فرمایا:

''جو جماعت قرآنی نظامِ ربوبیت کی تشکیل کا عزم لے کر اٹھتی اور اپنے اللہ سے بیع و شریٰ کا معاملہ کرتی ہے اس کے نفع اور نقصان کے ماپنے کے پیمانے اور اندازے دوسری جماعتوں سے مختلف ہوتے ہیں۔ عام جماعتوں کو صرف یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ انہوں نے کتنے ممبر بھرتی کیے۔ کس قدر روپیہ فراہم کیا۔ کتنے جلسے کیے، کتنے جلوس نکالے، مخالفین کو دبانے کے لئے کون کون سے حربے استعمال کئے اور اس طرح انتخابات میں کتنی نشستیں حاصل کیں وغیرہ وغیرہ۔ لیکن قرآنی نظام کی داعی جماعت کے افراد کو دیکھنا یہ ہوگا کہ انہوں نے اپنے اندر کس قدر تبدیلی پیدا کی ہے۔ ان کا قلب و دماغ کس حد تک قرآنی تصورات سے ہم آہنگ ہو چکا ہے۔ ان کی سیرت و کردار کہاں تک قرآنی قالب میں ڈھل چکے ہیں۔ ان کی آرزوؤں اور ارادوں کے محرکات کس حد تک قرآنی مقاصد ہیں، وہ اپنی ذات، اپنے اعزہ و اقارب اور دوسرے انسانوں کے ساتھ معاملات میں قوانینِ خداوندی کی کس قدر نگہداشت کرتے ہیں۔ اگر ہمارے اندر اس قسم کی تبدیلی پیدا نہیں ہوئی تو پھر آپ نے دوسرے معیاروں کے مطابق کتنی ہی ترقی کیوں نہ کر لی ہو، قرآن کی میزان میں اس کا کوئی وزن نہیں''۔

طلوعِ اسلام کی ساتویں کنونشن میں موصوف نے کہا:

''انسانی تاریخ میں یہ وقت بڑا نازک آیا ہے، قدیم تصوراتِ حیات اور نظامہائے زندگی کا دور دورہ ختم ہو رہا ہے، ملوکیت، سرمایہ داری، مذہب، سب ایک ایک کر کے اٹھتے اور مٹتے جا رہے ہیں......اس وقت لآ کی طوفانی قوتیں (کمیونزم وغیرہ) بڑی تیزی سے آگے بڑھ رہی ہیں۔ اگر الا اللہ کا تصور اس وقت سامنے نہ لایا گیا تو انہیں اس کے بعد ان کے مقام سے ہٹانے، یا الا اللہ تک لانے میں نہ معلوم کتنا وقت لگ جائے اور انسانیت کو کتنا عرصہ اس جہنم میں گزارنا پڑے جس میں وہ صدیوں سے پڑی جھلس رہی ہے''۔

طلوعِ اسلام کی نویں کنونشن کو خطاب کرتے ہوئے پرویزؔ صاحب نے فرمایا:

''یہ ہے عزیزانِ گرامی قدر! مختصر الفاظ میں میری وہ دعوت جسے میں قریب تیس سال سے مسلسل پیش

کئے چلا آ رہا ہوں۔ جس دن میں نے اس قرآنی فکر کو پیش کرنے کا فیصلہ کیا تھا' مجھے اس کا اچھی طرح سے علم تھا کہ اس کی کس قدر مخالفت ہو گی۔ جو شخص لوگوں کے سامنے ان کے مروجہ عقائد اور متوارث نظریات پیش کرتا ہے' پہلے ہی دن ایک انبوہِ کثیر اس کے ساتھ ہوتا ہے' اسے ان کا مسلمہ لیڈر' راہنمائے شریعت یا مرشد طریقت بن جانے میں کسی قسم کی کوئی دشواری پیش نہیں آتی۔ لیکن جو شخص ان کے غلط عقائد اور غیر صحیح اعمال کی تردید کر کے' انہیں ایسے راستے کی طرف دعوت دیتا ہے جو ان کی پامال راہوں سے ہٹا ہوا ہے' وہ دنیا بھر کی مخالفت مول لیتا ہے۔ میری اپنی پہلی زندگی خود انہی پامال راہوں میں گزری تھی اس لئے ایک ہجوم کو اپنے پیچھے لگا لینا' اور ایک بہت بڑی جماعت کھڑی کر کے اسکا قائد بن جانا' میرے لئے کچھ بھی مشکل نہیں تھا لیکن میری قرآنی بصیرت کچھ اور کہہ رہی تھی۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے توفیق بخشی کہ میں ان تمام نگاہ فریب جاذبیتوں اور دامن گیر کششوں سے منہ موڑ کر' قرآن کی آواز پر لبیک کہوں' اور اس طرح دنیا جہان کی مخالفت مول لے لوں' میں نے یہ فیصلہ سب کچھ جانتے بوجھتے' سوچتے سمجھتے کیا اور مجھے کبھی اس پر افسوس نہیں ہوا۔

سوال یہ ہے کہ میں نے مقبولیتِ عامہ کا وہ آسان راستہ چھوڑ کر ان پُرخار وادیوں کو اختیار کیوں کیا۔ اس کا بنیادی جواب تو یہی ہے کہ جب کسی کے سامنے صداقت آ جائے تو خود صداقت کا تقاضا ہوتا ہے کہ اسے عام کیا جائے خواہ اس میں کتنی ہی مشققتیں کیوں نہ برداشت کرنی پڑیں۔ دوسرے یہ کہ تاریخِ اقوام کے مطالعہ سے میں اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ چکا ہوں کہ اب مذہب کا دور ختم ہو چکا ہے۔ اے مذہب تاریکیوں میں پنپتا ہے جوں جوں علم کی روشنی پھیلتی جاتی ہے' مذہب چمگادڑ کی طرح آنکھیں بند کرتا چلا جاتا ہے۔ بادنیٰ تدبر یہ حقیقت سامنے آ جائے گی کہ دنیا کے تمام مذاہب ایک ایک کر کے ختم ہو گئے یا ختم ہوتے جا رہے ہیں۔۔۔ بہت آگے گئے باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں۔

یہ تو دین کا خاصا ہے کہ وہ علم کی روشنی میں اور زیادہ چمکتا ہے۔ جیسے کہ میں نے شروع میں کہا ہے' ہم بھی اپنے دین کو مذہب کی سطح پر لے آئے ہیں' اس لئے جب دنیا کے دیگر مذاہب باقی نہ رہے' تو یہ مذہب کیسے باقی رہ سکے گا؟ فطرت کے قانون کے مطابق' ہر وہ نظریہ جو زمانے کے تقاضوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا' اپنی موت آپ مر جاتا ہے۔

مذہب کے ختم ہو جانے کے بعد' اگر اس قوم کے سامنے دین نہ ہو' تو وہ دہریت اختیار کر لیتی ہے' اس

وقت یورپ کی سیکولر مملکتوں اور کمیونسٹ سلطنتوں کے ساتھ یہی ہوا ہے۔ ان دونوں میں سیاست، مستقل اقدار سے الگ ہوجاتی ہے اور اس کا نتیجہ (علامہ اقبالؔ کے الفاظ میں) ''چنگیزیت'' کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

دہریت کا خاصا یہ ہے کہ وہ خاص اسی قوم کو تباہ نہیں کیا کرتی' اس کا اثر بڑا دور رس ہوتا ہے۔ جب اقتدار کسی ایسی قوم کے ہاتھ آ جائے جو مستقل اقدارِ حیات پر ایمان نہ رکھتی ہو' تو اس سے دنیا جس جہنم میں مبتلا ہوجاتی ہے اس کے شعلے ہم آج ساری دنیا میں مشتعل دیکھ رہے ہیں۔ میری نگۂ بصیرت یہ دیکھ رہی ہے کہ مذہب کے ساتھ جو کچھ یورپ میں ہوا ہے' وہی کچھ اب پاکستان میں ہونے والا ہے۔ مجھے خطرہ ہے کہ اگر اس وقت قوم کے سامنے خدا کا دین نہ لایا گیا تو یہاں بھی دہریت چھا جائے گی۔ میری انتہائی آرزو اور کوشش یہ ہے کہ قبل اس کے کہ دہریت کا بڑھتا ہوا سیلاب ادھر کا رخ کرے' یہاں مذہب کو دین سے بدل دیا جائے تاکہ دنیا میں ایک خطہ زمین تو ایسا ہو جو خدا کی پروردگاری کا مظہر بن سکے''۔

طلوعِ اسلام کی دسویں سالانہ کنونشن میں پرویزؔ صاحب نے اراکین بزمہائے طلوعِ اسلام کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

''میں نے زمیلانِ گرامی قدر! قرآن کریم کی اس روشنی کو چراغِ راہ بناتے ہوئے اس تحریک کی بنیاد رکھی تھی۔ اس کا مقصد' نہایت سکون و خاموشی' لیکن انتہائی التزام و استحکام کے ساتھ' قرآنی فکر کو عام کئے جانا ہے۔ اس میں کسی قسم کی ہنگامہ آرائی اور تماشہ گری کا کوئی دخل نہیں۔ ہمارے دستور اساسی کی ایک شق یہ ہے کہ ہم عملی سیاسیات میں حصہ نہیں لیں گے اس لئے اس تحریک کے ساتھ وابستگی سے نہ تو کوئی سیاسی مفاد عاجلہ حاصل ہوسکتے ہیں اور نہ ہی اس میں نمود و نمائش کی کوئی گنجائش اور شہرت و ناموری کا کوئی مقام ہے۔ یہاں تو دنیا بھر کی مخالفت کو نہایت سکون و اطمینان سے برداشت کرنا' اور لب تک ہلائے بغیر اپنی دھن میں آگے بڑھتے چلے جانا ہے' اس بزمِ شوق میں پروانے کی طرح جل کر مر جانا اور زبان سے اُف تک نہ کرنا ہے' دوسری طرف مفاد عاجلہ کے جہانِ رنگ و بو سے یوں بیگانہ وار گزر جانا ہے کہ اس کی کوئی کشش و جاذبیت آپ کی دامنگیر نہ ہو''۔

یہ ہیں قرآنی حقائق پر استوار اس تنظیم کے مقاصد' اور یہ ہے وہ مخصوص اور متعین طریقِ کار (ذہنی انقلاب اور پھر قلبی انقلاب) جسے اس تحریک نے اپنے روزِ اول سے اختیار کر رکھا ہے۔

ان حقائق کی روشنی میں آپ خود فیصلہ فرمالیجئے کہ اس قسم کی تحریک آپ کے تعاون کی مستحق ہے یا نہیں۔

والسلام!

ماہنامہ طلوعِ اسلام کا سالانہ زرِ شرکت

اندرونِ ملک ---------------- 550 روپے

بیرونِ ملک ---------------- 2500 روپے

Bank Account Idara Tolu-e-Islam

For Domestic Transactions
Bank A/C No: 0465-22-003082-7

For International Transactions
IBAN: Pk21 NBPA 0465 0022 0003 0827

National Bank of Pakistan Main Market, Gulberg Lahore

قرآن حکیم کے طالب علموں کے لیے خوشخبری

علامہ غلام احمد پرویزؒ کے سات سو سے زائد دروسِ قرآنی پر مبنی تفسیری سلسلہ کے تحت بزم طلوع اسلام لاہور کی طرف سے مندرجہ ذیل تفسیری کتب کی اشاعت الگ الگ جلدوں میں ہو چکی ہے۔ یہ جلدیں 20x30/8 کے بڑے سائز کے بہترین کاغذ پر خوبصورت طباعت اور مضبوط جلد بندی کے ساتھ دستیاب ہیں۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

نام کتاب	سورہ نمبر	صفحات	نیا ہدیہ	نام کتاب	سورہ نمبر	صفحات	نیا ہدیہ
سورہ الفاتحہ	(1)	240	200/-	سورۃ الشعرآء	(26)	454	400/-
سورہ الفاتحہ (سٹوڈنٹ ایڈیشن)	(1)	240	110/-	سورۃ النمل	(27)	280	300/-
سورۃ البقرہ (اول)	(2)	500	400/-	سورہ القصص	(28)	334	350/-
سورۃ البقرہ (دوم)	(2)	538	400/-	سورہ عنکبوت	(29)	388	350/-
سورۃ البقرہ (سوم)	(2)	500	400/-	سورہ روم، لقمان، السجدہ	(30,31,32)	444	400/-
سورۃ النساء	(4)	870	700/-	سورہ احزاب، سبا، فاطر	(33,34,35)	570	400/-
سورہ النحل	(16)	334	300/-	سورہ یٰسین	(36)	164	150/-
سورہ بنی اسرائیل	(17)	396	----	سورہ الصفت، ص، زمر	(37,38,39)	450	400/-
سورۃ الکہف وسورہ مریم	(18-19)	532	400/-	سورۃ مومن حٰم سجدہ، سورہ شوریٰ	(40,41,42)	624	550/-
سورہ طٰہٰ	(20)	416	350/-	سورۃ زخرف، دخان، جاثیہ، احقاف، محمدؐ	(43-44-45 46-47)	520	500/-
سورۃ الانبیآء	(21)	336	300/-	سورۃ الفتح، الحجرات، ق، الذاریات، الطّور، النجم	(48-49-50 51-52-53)	550	500/-
سورۃ الحج	(22)	380	350/-	سورۃ القمر، الرحمٰن، واقعہ، الحدید	(54-55 56-57)	384	400/-
سورۃ المؤمنون	(23)	408	400/-	28 واں پارہ (مکمل)	----	300	300/-
سورۃ النور	(24)	264	350/-	29واں پارہ (مکمل)	----	544	400/-
سورۃ الفرقان	(25)	389	350/-	30واں پارہ (مکمل)	----	624	400/-
				شرح جاوید نامہ	----	800	1000/-

ادارہ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ) 25/بی، گلبرگ 2، لاہور فون نمبر: +92 42 3571 4546. +92 321 4460 787

بزم ہائے طلوع اسلام اور تاجر حضرات کو ان ہدیوں پر تاجرانہ رعایت دی جائے گی۔ ڈاک خرچ اس کے علاوہ ہوگا۔

ملک منظور حسین لیل۔ بھکر
0332-7636560
mhleeladv@yahoo.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(قسط ہفتم)

پرویز صاحب کا نظریۂ اسلامی مملکت

(قرآنی حکومت)

اور جو لوگ ما انزل اللہ (قرآن) کے مطابق حکومت قائم نہیں کرتے، وہی لوگ کافر، ظالم، فاسق ہیں (5:44-45-47)

نظامِ سیاست

وحدتِ انسانیت:

قرآنِ کریم کے مطابق، آغاز میں انسانیت کی وحدت قائم تھی۔ پھر انسانوں نے آپس میں اختلاف کیا تو یہ وحدت ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ قرآن کریم دوبارہ وحدتِ انسانیت قائم کرنا چاہتا ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے سب سے پہلے اس نے اپنے احکام و قوانین پر ایمان لانے والوں کی ایک اُمت تشکیل کی اور اسے ہمیشہ متحد رہنے کا حکم دیا تا کہ وحدتِ انسانیت کی منزل کی طرف پیش قدمی کی جا سکے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن، وحدتِ اُمت کو پارہ پارہ کرنے والے کسی بھی نظریہ و عمل کو شرک قرار دیتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایک مملکت اور مرکزی حکومت (جس کا دارالحکومت یا دارالخلافہ۔ کعبہ ہونا چاہیئے) کی بجائے مسلمانوں کے الگ الگ ممالک اور حکومتوں کا وجود، فرقہ بندیاں، سیاسی پارٹیاں، حزبِ اختلاف وغیرہ سب وحدتِ اُمت کے قرآنی نظریہ و منشاء کے خلاف ہیں، اسی لئے اسلامی مملکت میں مذہبی فرقوں، سیاسی پارٹیوں اور حزبِ اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔

ایک اُمت، ایک مملکت:

حیرت انگیز سرعت کے ساتھ روز بروز ترقی کرتے ہوئے ذرائعِ ابلاغ (میڈیا) اور ذرائع رسل و رسائل کے پیشِ نظر آج کی دنیا عملاً ایک گلوبل ولیج (عالمی گاؤں) بن چکی ہے۔ آج (بذریعہ موبائل فون) پوری دنیا ہر وقت انسان کی جیب میں موجود ہے (اور نجانے آئندہ اس معاملے میں کیا حیرت انگیز ترقی ہونے والی ہے)۔ لہٰذا، اگر مسلمان الگ الگ مملکتوں میں بٹنے کی بجائے ایک مرکز (مکّہ مکرّمہ) کو تسلیم کر کے عملاً ''ایک'' ہو جانے کی کوشش کریں تو آج اس قرآنی فریضہ کی ادائیگی پہلے سے کہیں زیادہ آسان اور قابلِ عمل ہے (مئولف)۔ وحدتِ امت اور پھر وحدتِ انسانیت کے بارے میں علامہ پرویز

صاحب کے نظریات ملاحظہ ہوں :۔

صبغۃ اللہ:

طلوعِ اسلام جون 1977۔ص۔12:۔'' احکام وتعزیرات کو چند عام فہم الفاظ میں سمجھایا جاسکتا ہے، لیکن نظام ایک ایسا محیطِ کل اور ہمہ گیر تصورِ حیات اور نظریہ ءزندگی ہے جسے چند الفاظ میں بتایا اور سمجھایا نہیں جاسکتا۔خود قرآن کریم نے بھی اسے تمثیلی انداز میں بیان کیا ہے۔اس نے اسے ''اللہِ صِبۡغَۃً'' (2:138)''اللہ کا رنگ'' کہہ کر پکارا ہے۔''رنگ'' کے معنی آپ جانتے ہیں کہ اسے الفاظ میں سمجھانا مشکل (بلکہ بعض اوقات ناممکن) ہوتا ہے۔جس شخص نے کبھی سبز رنگ نہ دیکھا ہو، آپ اسے قیامت تک نہیں سمجھا سکتے کہ سبز رنگ کسے کہتے ہیں۔''صبغۃ اللہ'' کی قرآنی مثال بڑی ہی جامع اور ہمہ گیر ہے۔جب کوئی کپڑا کسی خاص رنگ میں ڈبو دیا جائے تو وہ تمام کا تمام یک رنگ ہوجاتا ہے۔اسلامی نظام میں ہر فرد کی پوری کی پوری زندگی یک رنگ ہوجاتی ہے۔اور جب ہر فرد کی زندگی یک رنگ ہوجائے تو ساری کی ساری جماعت (امت) یک رنگ ہوجاتی ہے۔یہ ہے اسلامی نظام کے قیام کی شرطِ اوّلیں۔یعنی پوری کی پوری امت کا یک رنگ اور ہم آہنگ ہونا۔علامہ اقبالؒ کے الفاظ میں ۔

چیست ملت ، ایکہ گوئی لا الہٰ — باہزاراں چشم بودن یک نگاہ

لہٰذا، جو امت فرقوں، پارٹیوں، گروہوں، جماعتوں میں بٹی ہوئی ہو، اس میں اسلامی نظام کا قیام تو ایک طرف، اس کا تصور تک بھی ممکن نہیں ہوسکتا۔ہم سمجھتے ہیں کہ فرقوں اور پارٹیوں میں بٹی ہوئی امت کا دعویٰ نظامِ مصطفیٰ ﷺ تھا، جس کے احساس وتصور سے تڑپ کر اقبالؒ نے بصد سوز وگداز کہا تھا کہ ۔

تاندارى از محمد (ﷺ) رنگ و بو — از درودِ خود میالا نامِ او (ﷺ)

محمدی (ﷺ) رنگ وبو 'صبغۃ اللہ' ہی کی محسوس شکل کا نام ہے۔۔۔۔خدا کا رنگ اسوہ محمدی (ﷺ) کے مرئی پیکر میں سامنے آسکتا ہے۔یوں، دینِ خداوندی، اسلامی نظام اور نظام مصطفیٰ (ﷺ) ایک ہی حقیقت کے مختلف نام قرار پاتے ہیں۔''

پارٹی سسٹم:

'قرآن کریم کی رو سے پوری کی پوری اُمت ایک پارٹی ہے۔اس کے اندر پارٹیوں کا وجود (خواہ وہ مذہبی فرقوں کی شکل میں ہو یا سیاسی پارٹیوں کے پیکر میں) شرک ہے۔سورۂ روم میں ہے:۔وَلَا تَكُوۡنُوۡا مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ۝ مِنَ الَّذِيۡنَ فَرَّقُوۡا دِيۡنَهُمۡ وَكَانُوۡا شِيَعًا‌ ؕ كُلُّ حِزۡبٍۢ بِمَا لَدَيۡهِمۡ فَرِحُوۡنَ ۝ (32۔30:31)۔(مسلمانو! دیکھنا۔تم خدائے واحد پر ایمان لاکر پھر سے کہیں) ''مشرکین میں سے نہ ہوجانا۔یعنی ان لوگوں میں سے نہ ہوجانا جنہوں نے اپنے دین میں تفرقہ ڈال

دیا۔اور فرقوں (پارٹیوں) میں تقسیم ہو گئے۔ پھر ہر فرقہ (پارٹی) اپنے اپنے مسلک ومنشور پر اتراتا رہا ہے۔'' دوسرے مقام پر رسول اللہ ﷺ سے کہا گیا کہ:۔ اِنَّ الَّذِیۡنَ فَرَّقُوۡا دِیۡنَهُمۡ وَكَانُوۡا شِيَعًا ---- لَّسۡتَ مِنۡهُمۡ فِیۡ شَیۡءٍ (6:159)۔''وہ لوگ جو اپنے دین میں فرقے پیدا کرلیں اور خود بھی ایک فرقہ یا پارٹی بن جائیں، اے رسول! تمہیں ان سے کوئی سروکار نہیں۔'' وحدتِ اُمت دین کا بنیادی تقاضا ہے۔خدا کا حکم یہ ہے کہ:۔وَاعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰهِ جَمِيۡعًا وَّلَا تَفَرَّقُوۡا (3:103)۔''تم سب کے سب مل کر ''حبل اللہ''۔۔کتابِ خداوندی۔۔کو مضبوطی سے تھامے رہو۔اور مذہبی فرقوں یا سیاسی پارٹیوں میں مت تقسیم ہو جاؤ۔'' فرقوں اور پارٹیوں سے اختلاف پیدا ہوتا ہے،اور اختلاف خدا کا عذاب ہے۔ وَلَا تَكُوۡنُوۡا كَالَّذِيۡنَ تَفَرَّقُوۡا وَاخۡتَلَفُوۡا مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَهُمُ الۡبَيِّنٰتُ ؕ وَاُولٰٓـئِكَ لَهُمۡ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ (3:105)۔''(مسلمانو!) تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو پارٹیوں میں بٹ گئے اور (خدا کی طرف سے) واضح احکام آجانے کے بعد، باہمی اختلاف کرنے لگ گئے۔ان لوگوں کے لئے سخت عذاب ہے۔'' اختلافات کا مٹ جانا، خدا کی رحمت ہے۔وَلَا يَزَالُوۡنَ مُخۡتَلِفِيۡنَ ۙ‏ اِلَّا مَنۡ رَّحِمَ رَبُّكَ ؕ (11:118-19)۔''لوگ ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے بجز ان کے جن پر تیرے رب کی رحمت ہو۔'' اس مملکت میں تمام افرادِ اُمت ایک دوسرے کو حق و استقامت کی تلقین کریں گے۔(وَتَوَاصَوۡا بِالۡحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوۡا بِالصَّبۡرِ (103:3)۔اور ''بر وتقویٰ'' کے کارناموں میں سب ایک دوسرے سے تعاون کریں گے۔(وَتَعَاوَنُوۡا عَلَى الۡبِرِّ وَالتَّقۡوٰى (5:2)۔بنابریں، مغرب کا جمہوری نظام جس میں قانون سازی کے غیر محدود اختیارات مجلس قانون ساز کو حاصل ہوتے ہیں، اسلامی نظام کی نقیض ہے اور حزبِ اقتدار و اختلاف کی تفریق، خدا کا عذاب۔'' (طلوعِ اسلام۔جون 1977ء۔صفحہ نمبر 25،26)۔

مذہبی فرقے اور سیاسی پارٹیاں:

قرآن کریم تمام مسلمانوں کو اُمتِ واحدہ قرار دیتا ہے اور اُس کی وحدت کو کسی بھی لحاظ سے پارہ پارہ کرنے کو شرک قرار دیتا ہے۔لہٰذا طلوعِ اسلام نے اُمت کے اندر مذہبی فرقوں یا سیاسی پارٹیوں یا حزبِ اختلاف کے وجود کو ہمیشہ خلافِ اسلام قرار دیا ہے۔ملاحظہ ہو طلوعِ اسلام ستمبر 1977ء صفحہ نمبر 13:۔''قرآن کریم نے جو کہا ہے کہ انسانوں کے اختلافات مٹانے کا ذریعہ ''کتاب'' کو قرار دیا گیا ہے تو آپ نے غور فرمایا ہے کہ اس کا عملی مفہوم کیا ہے؟۔کتاب کے معنی ضابطہء قوانین کے ہیں۔ایک ملک میں بسنے والے افراد، ایک قوم اسی صورت میں بنتے ہیں جب وہ ایک ضابطہء قوانین کی اطاعت کریں۔بالفاظِ دیگر، قوم کی وحدت کا انحصار، قانون کی وحدت پر ہوتا ہے۔اگر کسی قوم کے مختلف گروہ مختلف قوانین کے تابع زندگی بسر کریں، تو ان میں کبھی وحدت نہیں پیدا ہو سکتی۔اُمتِ مسلمہ بھی اُمتِ واحدہ اسی صورت میں بن سکتی ہے جب وہ ایک

ضابطہء قوانین کے تابع رہے۔اور چونکہ تمام مسلمانوں کے لئے ایک ہی ضابطہء قوانین ۔۔(قرآن مجید) کی اطاعت لازم قرار دی گئی ہے اس لئے ان میں تفرقہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا۔قرآن کریم میں نہ تو شخصی (Personal laws)اور تمدنی قوانین (Public laws) کی تفریق کی گئی ہے اور نہ ہی اس میں مختلف فرقوں کے لئے مختلف فقہوں کا کوئی تصور ہے۔اُمت میں فرقوں کا وجود، اس کی نص صریح کی رو سے شرک ہے (30:31)۔اور چونکہ اسلام میں مذہب اور سیاست کی ثنویت نہیں، اس لئے جس طرح مذہبی فرقوں کا وجود، ازروئے قرآن شرک ہے، اسی طرح سیاسی پارٹیوں کا وجود بھی خلافِ اسلام ہے۔قرآن کریم نے اسے سیاستِ فرعونی سے تعبیر کیا ہے (28:4)۔ہمیں تسلیم ہے کہ بہ حالاتِ موجودہ مذہبی فرقہ بندی کو بیک جنبش قلم نہیں مٹایا جاسکتا،لیکن سیاسی پارٹیوں کو تو ازروئے قانون فوراً ختم کیا جاسکتا ہے۔''

مہاجرین وانصار۔دو سیاسی پارٹیاں؟:

طلوع اسلام مئی 1981ء۔صفحہ نمبر 21۔2:۔''نوعِ انسان مختلف وجوہات وعلل کی بناء پر، مختلف گروہوں میں بٹے چلی آرہی تھی۔قرآن کریم نے ان تمام وجوہِ تفریق واسبابِ تقسیم کو بالائے طاق رکھ کر، تمام انسانوں کو دو گروہوں میں تقسیم کردیا:۔هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ط۔۔(64:2)۔''اللہ نے تم تمام انسانوں کو پیدا کیا۔پھر تم میں سے کچھ کافر ہوگئے، کچھ مومن۔'' وہ کون سی صداقت تھی جس کے ماننے والے (مومن) ایک گروہ قرار پا گئے۔اور اسے نہ ماننے والے (کافر) دوسرا گروہ؟۔یہ ضابطہء خداوندی تھا جسے اس کی الکتاب یا قرآن مجید کہا جاتا ہے۔بالفاظِ دیگر، قرآن کریم کو اپنی زندگی کا ضابطہ ماننے والے، ایک گروہ۔ایک جماعت۔ایک اُمت۔ایک ''پارٹی''۔اور ایسا نہ ماننے والے، ان کے بالمقابل، دوسرا گروہ۔دوسری اُمت۔دوسری پارٹی۔انہی دو گروہوں کو اس نے حِزْبُ اللّٰهِ ط۔اللہ کی پارٹی (58:22) اور حِزْبَ الشَّیْطٰنِ ۔۔شیطان کی پارٹی (58:19) کہہ کر پکارا ہے۔لہٰذا، اسلام کی رو سے دنیا میں پارٹیاں دو ہی ہیں۔۔حِزْبُ اللّٰهِ ط اور حِزْبَ الشَّیْطٰنِ۔۔جیسا کہ اوپر کہا جاچکا ہے، حزب اللہ کی وجہء جامعیت، ضابطہء خداوندی (قرآن مجید) کے ساتھ تمسک اور اعتصام تھا۔یعنی دنیا کے مختلف افراد، جنہوں نے کتاب اللہ کو ضابطہء حیات تسلیم کرلیا، حزب اللہ کے ارکان بن گئے۔اس لئے ان سے تاکیداً کہا کہ:وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ص ۔۔(3:103)۔''(اے افرادِ حزب اللہ) تم سب کے سب، اللہ کی کتاب کے ساتھ وابستہ رہو اور آپس میں تفرقہ مت پیدا کرو۔''یعنی ارکانِ حزب اللہ (افرادِ جماعتِ مومنین۔امتِ مسلمہ) میں سے جس نے ضابطہء خداوندی کے سوا کسی اور ضابطہ کے ساتھ تمسک (پیوستگی) کرلی، وہ اس حزب کا، رکن اور اس جماعت کا، فرد نہ رہا۔۔تفرقہ کے معنی ہی اصل سے الگ ہوجانا ہے۔اس لئے'' اعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ ''کے ساتھ، تفرقہ سے اجتناب کی بھی تاکید کردی، کیونکہ یہ دونوں یکجا نہیں رہ سکتے اعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ

اللہِ ہوگا تو اس کا نتیجہ اُمتِ واحدہ ہوگی۔ اعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ نہ رہے گا تو وحدت ٹوٹ جائے گی اور تفرقہ پیدا ہو جائے گا۔ اسی لئے قرآن کریم نے اعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ کو توحید اور تفرقہ کو شرک قرار دیا ہے۔ فرمایا:۔۔۔ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۳۱﴾ مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ (30:31-32)۔ ''اے جماعتِ مومنین دیکھنا! کہیں تم (توحید کے قائل ہونے کے بعد) مشرکین میں سے نہ ہو جانا۔ یعنی ان لوگوں میں سے نہ ہو جانا جنہوں نے اپنے دین میں تفرقہ پیدا کر لیا اور اس طرح ایک الگ پارٹی بنالی۔ اس پارٹی بازی میں کیفیت یہ ہو جاتی ہے کہ ہر گروہ اپنے آپ کو حق پر (اور دوسری پارٹیوں کو باطل پر) سمجھتا ہے۔'' رسول اللہ، حزب اللہ (اُمتِ مسلمہ) کی مملکت کے سربراہ تھے۔ ظاہر ہے کہ جو لوگ اس حزب سے الگ کوئی پارٹی بنالیں، ان کے سربراہ (Head) رسول اللہ ﷺ نہیں رہیں گے۔ اس لئے فرمایا کہ:۔ اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ؕ (6:159)۔ ''اے رسول! جو لوگ اپنے دین میں تفرقہ پیدا کر کے الگ پارٹی بنالیں، تیرا ان سے کوئی واسطہ نہیں رہے گا۔'' ان آیات میں، دین میں تفرقہ پیدا کر کے ایک الگ پارٹی (شیعاً یا حزب) بن جانے کو شرک اور رسول اللہ ﷺ سے لاتعلقی (کفر) قرار دیا گیا ہے۔ اسلام میں (یعنی قرآن کی رو سے) مذہب اور سیاست الگ الگ نہیں۔ دین ان دونوں کے امتزاج کا نام ہے۔ مذہب اور سیاست کا الگ الگ تصور اور الگ الگ اصطلاحات، سیکولرازم کی پیدا کردہ ہیں۔۔۔ لہٰذا، جب قرآن کریم نے دین میں تفرقہ کو شرک اور انکارِ رسالت قرار دیا تو اس میں مذہبی فرقہ بندی اور سیاسی تحزّب (پارٹی بازی) دونوں آ گئے۔۔ ذرا غور کیجئے! کہ مذہبی فرقے اور سیاسی پارٹیاں وجود میں کس طرح آتی ہیں؟۔ مذہبی فرقے عقائد میں اختلاف سے پیدا ہوتے ہیں، اور سیاسی پارٹیوں کا منشور الگ الگ ہوتا ہے۔ اگر صرف خدا کی کتاب کے ساتھ تمسک ہو تو نہ عقائد مختلف ہو سکتے ہیں، نہ منشور الگ الگ۔ اور جب عقائد اور منشور الگ الگ نہیں ہوں گے تو نہ مذہبی فرقے باقی رہیں گے، نہ سیاسی پارٹیاں۔ ایک ضابطہء حیات اور اس کی ماننے والی ایک اُمت باقی رہے گی۔ یہی اسلام کی بنیادی شکل ہے۔ اُمت کی یہی وحدت تھی جس سے وہ دین و دنیا کی سرفرازیوں اور کامرانیوں کی مستحق قرار پائی تھی۔ اس کے برعکس، اختلاف کو اللہ تعالیٰ نے عذاب قرار دیا تھا اور اس سے جماعتِ مومنین کو بڑی سختی سے روکا تھا جب فرمایا کہ: وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (3:104)۔ ''اے جماعتِ مومنین! تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے (خدا کی طرف سے) واضح ہدایات آ جانے کے بعد، تفرقہ اور اختلاف پیدا کر لیا اور اس طرح عذابِ عظیم کے مستوجب ہو گئے۔''

منہ کالا ہو جانا:

اس عذاب کو قرآن نے ''منہ کالا ہو جانے'' سے تعبیر کیا ہے۔ یعنی دنیا اور آخرت کی روسیاہی (3:105)۔ یہ تو دین اور

اُمتِ مسلمہ کا معاملہ ہے۔ کسی (عام) قوم کو پارٹیوں میں تقسیم کر دینا بھی بارگہء انسانیت میں ایسا سنگین جرم ہے جس کی قرآن کریم نے شدید مذمت کی ہے۔ اس نے سیاستِ فرعونی کے خلاف جو فردِ جرم عائد کی تھی اس میں سرِ فہرست یہ لکھا تھا کہ:

اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِيَعًا يَسْتَضْعِفُ طَائِفَةً مِنْهُمْ يُذَبِّحُ أَبْنَاءَهُمْ وَيَسْتَحْيِي نِسَاءَهُمْ ۚ إِنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ (28:4)۔ ''حقیقت یہ ہے کہ فرعون انتہائی سرکشی پر اتر آیا تھا۔ وہ ملک کے باشندوں (قوم) کو پارٹیوں میں تقسیم کرتا رہتا تھا اور پھر اپنی ابلیسی سیاست کی رو سے کبھی ایک پارٹی کو کمزور کر دیتا کبھی دوسری کو۔۔۔ یوں وہ فسادِ عظیم برپا کرتا رہتا تھا'' آپ نے غور فرمایا کہ قرآن کی رو سے، قوم میں پارٹیاں بنانا، سیاستِ فرعونی ہے۔ سو جب وہ اسے فرعون کی قوم میں بھی جائز نہیں سمجھتا تو اس کا تصور بھی کیا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے نظام (اسلام) میں اسے جائز قرار دے گا؟۔ وہ اسے خدا کا عذاب قرار دیتا ہے۔

پارٹی بازی، خدا کا عذاب:

وہ، سورہء الانعام میں، عذابِ خداوندی (قوموں کی تباہی) کی مختلف شکلوں کے سلسلہ میں ایک شکل یہ بتاتا ہے:۔

أَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَيُذِيقَ بَعْضَكُمْ بَأْسَ بَعْضٍ ۗ۔۔۔ (6:65)۔ کہ قوم مختلف پارٹیوں میں بٹ جائے اور اس طرح باہمی تصادم سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے۔۔۔ یہ ہے قرآن کی رو سے، عام قوموں میں بھی۔۔۔ پارٹی بازی کا نتیجہ۔ یہ خدا کا عذاب ہے۔۔۔ ان تصریحات کی روشنی میں کیا اس کا تصور بھی کیا جا سکتا ہے کہ صحابہء کبارؓ مختلف سیاسی پارٹیوں میں بٹے ہوئے تھے؟۔ ان کے ایمان و تقویٰ کے علاوہ، قرآن کریم نے ان کی بنیادی صفات یہ بتائی ہیں کہ: رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ (48:29)۔ ''ان کے باہمی تعلقات نہایت محبت اور موءدت کے تھے۔'' اسلام لانے سے پہلے، وہ باہمی عداوت سے گویا جہنم کے کنارے تک پہنچ چکے تھے۔: فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا ۚ۔۔۔ (3:103)۔ ''اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو آپس میں جوڑ دیا اور اپنی نعمتِ خصوصی کی رو سے انہیں آپس میں بھائی بھائی بنا دیا۔'' وہ ایک جماعت تھی۔ بنیان ''مرصوص''۔ سیسہ پلائی ہوئی دیوار (61:4) تھی۔ ہم پوچھتے ہیں ان بزرجمہروں سے جو فرماتے ہیں کہ صحابہؓ سیاسی پارٹیوں میں بٹے ہوئے تھے، کہ کیا سیاسی پارٹیوں کے افراد کے باہمی تعلقات اسی قسم کے ہوتے ہیں؟۔ وہ تو ایک دوسرے کے جانی دشمن اور ہر وقت دوسری پارٹی کی تخریب اور تذلیل کی فکر میں رہتے ہیں۔۔۔ اب آیئے مہاجرین اور انصار کی طرف!۔۔۔ سب سے پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ ان کی صورت یہ نہیں تھی کہ جماعتِ مومنین میں سے کچھ لوگوں نے اپنا الگ منشور مرتب کر کے، اپنی جداگانہ پارٹی بنا لی تھی جسے وہ مہاجرین کے نام سے منسوب کرتے تھے۔ اور ان کے مقابل، دوسری پارٹی نے اپنا الگ منشور اختیار کر کے، دوسری پارٹی قائم کر لی تھی جو انصار کے نام سے موسوم تھی۔ بات یہ نہیں تھی۔ ہجرت اور انصاریت ان کی خصوصی صفات تھیں جن سے متصف ہونے کی بناء پر انہیں مہاجرین اور انصار کہہ کر پکارا گیا تھا۔ بعض افراد وہ

تھے جو مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آئے تھے۔ اور دوسرے وہ جو مدینہ کے رہنے والے تھے اور انہوں نے ان آنے والوں کا دل کی کشادہ سے استقبال کیا اور ان کی ہر طرح سے امداد کی۔ قرآن کریم نے ان کی ان خصوصی اور متمیز صفات کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۔۔۔(8:72)۔ ''وہ لوگ جنہوں نے اپنی جان اور مال سے خدا کی راہ میں جہاد کیا اور ہجرت کی۔ اور وہ جنہوں نے (ان لٹ پٹ کر آنے والوں کو) پناہ دی اور ہر طرح سے ان کی امداد کی۔ یہ دونوں ایک دوسرے کے دوست اور پشت پناہ تھے۔'' اللہ تعالیٰ نے انہیں ''بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ'' کہا ہے۔۔۔ نبی اکرم ﷺ نے عملی قدم اٹھایا اور ان میں سلسلہءِ مواخات قائم کر دیا۔ یعنی مہاجرین میں سے ایک کو انصار میں سے ایک کا بھائی بنا دیا۔ اور اس مواخات میں انہوں نے، من تو شدم تو من شدی، کا ایسا محیر العقول ثبوت دیا جس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔ ان تعلقاتِ اخوت میں وہ اس حد تک آگے بڑھ گئے کہ تقسیمِ وراثت تک میں انہیں حصہ دار سمجھنے لگ گئے۔ تا آنکہ اللہ تعالیٰ کو انہیں اس سے روکنا پڑا۔ کیونکہ اس سے رحمی رشتہ داروں کے مفاد متاثر ہوتے تھے (33:6)۔ قرآن کریم نے ان دونوں کو ''مومن حقا'' (پکے اور سچے مومن) کی سند سے نوازا (8:74)۔ اور ''رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ'' (9:100) کی شہادتوں سے سرفراز فرمایا اور انہیں جنت کا مستحق قرار دیا ہے۔ ان کا یہ تعارفی تشخص (مہاجرین اور انصار) ابتدائے ہجرت سے وجود میں آ گیا تھا۔ اور حضور نبی اکرم ﷺ کی پوری مدنی زندگی میں یہ اسی طرح قائم رہا۔ کیا اس دوران میں کہیں آپ کو ان کے دو جداگانہ سیاسی پارٹیوں کے افراد ہونے کی خفیف سی جھلک بھی دکھائی دیتی ہے؟۔۔۔ معترضین کا کہنا یہ ہے کہ، رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں تو ایسا نہیں ہوا تھا لیکن رسول اللہ ﷺ کی وفات کے فوری بعد، انہوں نے یکا یک دو متخاصم سیاسی پارٹیوں کی شکل اختیار کر لی تھی اور حصولِ اقتدار کی خاطر، امت کا پہلا انتخاب لڑا تھا!۔ یعنی (بقول ان کے) رسول اللہ ﷺ کی وفات کے فوری بعد، ان میں ایسا انقلاب آیا کہ انہوں نے۔ ''رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ''۔ ''بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ''۔ ''فَاَلَّفَ قُلُوْبِكُمْ''۔ ''فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا''۔'' کی خدائی سندات اور رسول اللہ ﷺ کی قائم کردہ مواخات کا لبادہ یک دم اتار پھینکا۔ اور دو حریف گروہوں کی شکل میں انتخاب لڑنے کے لئے ایک دوسرے کے بالمقابل کھڑے ہو گئے!۔ (عیاذ باللہ)۔ ظاہر ہے کہ ان میں ایسی تبدیلی راتوں رات تو نہیں آ سکتی تھی۔ (بلکہ اس میں تو ایک رات بھی نہیں گزری تھی۔ انتخاب کا واقعہ تو حضور ﷺ کی وفات کے ساتھ ہی کا ہے)۔ اس اعتراض سے تو ایسا مترشح ہوتا ہے گویا وہ عمر بھر انہی خطوط پر دل میں سوچتے رہے ہوں گے۔ اور جونہی موقعہ ملا وہ بے نقاب ہو کر سامنے آ گئے (استغفر اللہ)۔۔۔ سوال یہ ہے کہ اس بات کی سند کیا ہے کہ مہاجرین اور انصار، اس ''انتخابی مہم'' میں متخالف سیاسی پارٹیوں کی طرح ایک دوسرے کے مدِمقابل تھے؟۔

ہماری تاریخ:

اس کی سند ہے ہماری تاریخ۔ اس تاریخ میں اتنا ہی نہیں کہا گیا کہ انہوں نے آئینی انداز سے یہ انتخاب لڑا تھا۔ تاریخ اس سے آگے بھی بڑھتی ہے اور فریقین کے باہمی جدال کی ایسی تفصیلات پیش کرتی ہے جنہیں سینے پر پتھر رکھ کر بھی درج نہیں کیا جا سکتا۔ ہماری تاریخ کے اردو تراجم بھی عام طور پر ملتے ہیں۔ جس کا جی چاہے انہیں دیکھ سکتا ہے۔''۔ ''تاریخ کے علاوہ، ہماری کتبِ روایات میں بھی صحابہؓ کے متعلق بہت کچھ ملتا ہے مثلاً بخاری شریف کی اس روایت کو سامنے لایئے جس میں کہا گیا ہے کہ:۔ حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن میرے چند صحابہؓ کو جہنم کی طرف لئے جا رہے ہوں گے۔ میں کہوں گا، یہ تو میرے صحابہؓ ہیں۔ اس پر اللہ فرمائے گا کہ جب آپ ان سے الگ ہوئے تو یہ لوگ (مرتدین علیٰ اعقابھم) اسلام چھوڑ کر اپنے پچھلے دین کی طرف لوٹ گئے تھے۔ (بخاری۔ کتاب الانبیاء۔ ترجمہ شائع کردہ نور محمد تاجر کتب۔ کراچی۔ جلد دوم۔ صفحہ نمبر 149)۔۔ یہاں تو پھر بھی ''چند صحابہؓ'' کا ذکر ہے۔ ہماری تاریخ جملہ صحابہ کبارؓ کو جس مقام پر پہنچاتی ہے اس کے تصور سے (عام الفاظ میں) ''عرش الٰہی تک ہل جاتا ہے۔'' قرآن مجید میں ہے کہ: وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا (4:93)۔ ''جو شخص کسی مومن کو بالارادہ قتل کر دے تو اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ رہے گا۔ اس پر خدا کا غضب اور اس کی لعنت ہو گی۔ خدا نے اس کے لئے شدید عذاب تیار کر رکھا ہے۔''۔ آپ نے دیکھا کہ قرآن کریم کی رو سے ایک مومن کے قتلِ عمد کی پاداش اور عقوبت کیا ہے؟۔ لیکن تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد جنگِ جمل ہوئی تو اس میں (بجز معدودے چند) آدھے صحابہؓ ایک طرف تھے اور آدھے دوسری طرف۔ ان میں باہمی جنگ ہوئی جس میں دس ہزار صحابہؓ ایک دوسرے کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ اور ظاہر ہے کہ جنگ میں قتل بالارادہ ہوتا ہے۔ اس میں ہر ایک کی کوشش ہوتی ہے کہ دوسرے کو قتل کر دے۔۔۔ دس ہزار صحابہؓ کا قتلِ عمد خود ایک دوسرے کے ہاتھوں سے۔۔۔ اور اس کے بعد جنگِ صفین میں (تاریخ کے بیان کے مطابق) ستر ہزار صحابہؓ ایک دوسرے کے ہاتھوں قتل ہوئے!۔ آپ سوچئے کہ اگر اس تاریخ کو مستند مان لیا جائے تو پھر (قرآن کریم کے مذکورہ صدر فیصلہ کی رو سے) رسول اللہ ﷺ کے ان تمام صحابہؓ کے متعلق کیا نتیجہ اخذ کیا جائے گا؟۔۔۔ یہ ہے ہماری وہ تاریخ! جس کی بناء پر کہا جاتا ہے کہ مہاجرین اور انصار دو مستقل سیاسی پارٹیاں تھیں۔ اور پھر صحابہؓ کی اس (مزعومہ) روش کو سند قرار دے کر یہ اصول مستنبط کیا جاتا ہے کہ اسلام میں سیاسی پارٹیاں قائم کرنے کی اجازت ہے!۔ حقیقت یہ ہے کہ امت ہزار سال سے جس خلفشار، انتشار، اختلاف اور افتراق کے عذاب میں مبتلا چلی آ رہی ہے، اس کا بنیادی سبب ہماری تاریخ ہے۔

(جاری ہے)

شیخ اللہ دتّا ایڈووکیٹ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علامہ محمد اقبالؒ کا دوسرا خواب

میں بزمِ طلوعِ اسلام لاہور کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے مجھے موقع دیا کہ میں اپنا ایک احساس آپ کے سامنے پیش کر سکوں، وہ چیز جو میں نے حکیم الامت علامہ محمد اقبالؒ سے اخذ کی، آپ کے سامنے لاؤں۔ (1)

میری پیدائش علامہ مرحوم کی وفات کے دو سال بعد کی ہے۔ اِس وقت میں عمر کے چھہترویں سال میں ہوں۔ بات یہ ہونی چاہئے تھی کہ میں کتنا عرصہ علامہؒ کے ساتھ وابستہ رہا اور کیوں یہ بات ان کے حوالہ سے کہتا ہوں۔ میں جب بچہ تھا تو اس وقت علامہؒ معاشرے میں گونج رہے تھے۔ سکول، گلیاں، چوپال اور مسجدیں کوئی جگہ ایسی نہ تھی جہاں علامہ اقبالؒ کا کلام نہ پڑھا جاتا ہو۔ مجھے اپنا بچپن یاد ہے کہ بانگِ درا اور بالِ جبریل کی نظموں کی نظمیں لوگوں کو یاد تھیں اور مجھے بھی۔ اس ماحول نے میرے ذہن کے اوپر اثر کیا تو میں نے علامہؒ کے کلام کو گہرائی سے پڑھا اور یہ میرے تعلیمی نصاب میں بھی شامل تھا تو میں اس علم کی بنیاد پر جو مجھے وہاں سے حاصل ہوا، جو یقین مجھے حاصل ہوا، اپنا وہ احساس یا اپنا وہ تجزیہ آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں۔

تجزیئے کا پہلا عنصر یہ ہے کہ علامہؒ دینِ اسلام کے بارے میں بہت گہری نظر رکھتے تھے۔ خصوصاً قرآنِ کریم کی یہ آیت (4:60) ان کے مدنظر تھی:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ۭ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّھُمْ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ۔۔۔ (4:60)

ترجمہ: کیا نہیں دیکھا تم نے ان لوگوں کو جو دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ ایمان لائے ہیں اس پر جو نازل کیا گیا ہے تم پر اور اس پر بھی جو نازل کیا گیا ہے تم سے پہلے (اس کے باوجود) چاہتے ہیں یہ کہ رجوع کریں معاملات کے فیصلے کے لیے ''طاغوت'' کی طرف حالانکہ انہیں حکم دیا گیا تھا کہ انکار کریں طاغوت کا۔ جبکہ چاہتا ہے شیطان یہی کہ لے جائے بھٹکا کر انہیں گمراہی میں بہت دور۔

اس آیۂ مبارکہ کی رو سے دعویٰ ایمان کے باوجود طاغوت کی حکومت میں اِرادتاً اور مطمئن رہنا دارالکفر میں رہنا ہے۔

---

(1) یہ خطاب اس سے قبل کم وبیش انہی الفاظ میں، اسلامک فلوسوفیکل ایسوسی ایشن پاکستان کے اجلاس مورخہ 11 نومبر 2015ء میں بمقام جم خانہ کلب لاہور اور دبستانِ اقبال کے اجلاس مورخہ 12 دسمبر 2015ء بمقام S-2 گلبرگ-II میں پیش کیا جا چکا ہے۔

اس اصول کی تائید سورۃ الانعام کی آیت :14 سے بھی ہوتی ہے:

قُلْ اِنِّیْۤ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَ لَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ (6:14)

ترجمہ: کہہ دو! بے شک مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ بنوں میں سب سے پہلا حکم ماننے والا اور (یہ کہ) ہرگز نہ شامل ہونا تم شرک کرنے والوں میں۔

اُس دور کے مسلمانوں کی حالت ہمیشہ انہیں بے چین رکھتی تھی جن کے بارے میں سورۃ یوسف میں یہ ارشاد ہے:

وَ مَا یُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَ هُمْ مُّشْرِكُوْنَ (12:106)

ترجمہ: اور نہیں ایمان لاتے ان میں اکثر اللہ پر مگر اس طرح کہ وہ اس کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہیں۔

میں یہ فرق کر رہا ہوں دین اور مذہب کا۔ مذہب انفرادی (individual) ہوتا ہے یعنی ''Me and My God'' اس کے لیے پرستش کی جاتی ہے، پوجا کی جاتی ہے۔ اور دین قانون کا نام ہے۔ یہ ایک نظام میں رائج ہوتا ہے۔ اس نظام کی ایک عملی شکل ہوتی ہے جس کے مطابق معاشرے کو چلایا جاتا ہے۔ اگر کوئی طریق کار ایسا ہو جو معاشرہ میں رائج ہو یا ہو سکتا ہو اور اس کی بنیاد پر اچھے نتائج نکلیں تو وہ دین کہلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں تین جگہ ایک بات فرمائی ہے۔ میں اس ٹاپک (Topic) کے حوالہ سے بات کر رہا ہوں، اُس پس منظر کے لیے جو تصور (Idea) میں نے آپ کو سنانا ہے، وہ یہ ہے:

هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ ۙ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ

(48:28،61:9،9:33)

ترجمہ: وہی تو ہے جس نے بھیجا اپنا رسول ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ تاکہ اسے غالب کر دے سب ادیان پر خواہ کتنا ہی ناگوار ہو مشرکین کو۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو بھیجا ہدایت دے کر، اتنی سی بات نہیں ہے، آگے کہا دین الحق اور ایک Establish ہونے والا System دے کر، ایک نظام دے کر، قانون دے کر جو معاشرہ میں رائج ہو کر اپنے صحیح نتائج دے گا۔ کیوں؟ کاہے کے لیے یہ دونوں چیزیں دیں؟ تاکہ خدا اور اس کا رسول اس دین کو، اس نظام کو تمام ادیان پر غالب کر دے۔ غالب کرے تو پھر کچھ لوگوں کو تکلیف اور ناگواری تو ہو گی کیونکہ جن کے قانون کی جگہ خدا کی مرضی چلے گی، وہ لوگ جو مشرک ہیں۔ دیکھیں مشرک کہا ہے، کافر نہیں کہا، دو جگہوں پر کہا ہے کہ اگرچہ مشرک اسے ناگوار ہی کیوں نہ سمجھتے ہوں۔

میں یہ اس لیے بتا رہا ہوں کہ اگلی ساری بات سمجھ اس سے آئے گی کہ کتنے ہی لوگ ہیں جو ایمان لاتے ہیں لیکن مشرک کے مشرک ہی رہتے ہیں (سورہ یوسف آیت :106 پیش کی جا چکی ہے) اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے ساتھ

اگر کوئی اپنے جذبات کو، اپنے خیالات کو، اپنے قانون کو، اپنے رسم ورواج کو، اپنے نفس کی خواہشات کو بنیاد بناتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کا مرتکب ہوتا ہے چاہے اپنے آپ کو مومن، مسلمان ہی کیوں نہ تصور کرے۔

یہ تو صرف دین ہے جو بتاتا ہے کہ کون شخص مومن، مسلمان ہے۔ اگر دین نہ ہو تو پھر ہم مذہب پرست ہیں۔ جو عبادات کرتے ہیں، وہ پوجا پاٹ کہلاتی ہیں۔ دین کا جز و نہیں ہوتا۔ اس پس منظر میں آج جو کچھ کہنا چاہتا ہوں، اس کو سنیں۔

پہلی بات ہے خواب کی، یہ جسے جہاں خواب کہا گیا ہے وہ ہمارے خواب نہیں کہ سوئے اور خواب دیکھ لیا۔ میں اس خواب کی بات نہیں کر رہا۔ اس کا ترجمہ ہے ''Vision''، نظارہ، آئینہ ادراک وغیرہ۔

جس وقت علامہؒ نے ہوش سنبھالا اس وقت ساری دنیا میں پانچ بڑی ریاستوں کی حکومت تھی۔ یہ یوروپی استعمار پسند لوگ جو تھے انہوں نے ایشیاء، افریقہ، آسٹریلیا، شمالی وجنوبی امریکہ کے اکثر ممالک کو اپنے کنٹرول میں لیا ہوا تھا۔ ہندوستان جہاں علامہؒ پیدا ہوئے، وہ بھی اس وقت انگریزوں کی غلامی میں تھا، جہاں قانون دوسرے کا چل رہا تھا۔ دیکھیں جہاں قانون دوسرے کا چلے یا انسانوں کا خود ساختہ قانون چلے، وہاں دینِ حق نہیں ہوتا۔ جہاں دینِ حق نہیں ہوتا، وہاں ارادتاً اور مطمئن رہنے والے لوگ مشرک تو ہو سکتے ہیں لیکن صحیح Islamic status enjoy نہیں کر سکتے۔ یہ تھی وہ تکلیف جو علامہ کو بیدار رکھتی تھی۔ وہ کہتے تھے ''کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی''۔ وہ جو راتوں کو اٹھ کر سوچتے تھے، کچھ کہتے تھے قرآنِ کریم کے بارے میں، اللہ تعالیٰ کے بارے میں۔۔۔ یہ وہ فرق تھا کہ دین تو خدا کا جب کسی مملکت میں رائج ہو گا وہ تب ہی اپنے حق کے نتائج پیدا کرے گا۔

اگر دین رائج نہیں ہو گا تو وہ نجی کا معاملہ ہے، انفرادی سطح ہے، Individual level ہے۔ یہ ہندو لیڈر گاندھی کا رویہ تو ہو سکتا ہے، خدا کا حکم نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ دین معاشرہ میں جب رائج ہو، خدا تعالیٰ کا کہنا رائج ہو، تو وہ دین ہوتا ہے۔ یہ تھی وہ کمی جس کے لئے وہ تڑپے:

ازسہ قرن ایں امتِ خوار وزبوں | زندہ بے سوز وسرورِ اندروں
ساقئ دیرینہ را ساغر شکست | بزمِ رندانِ حجازی بر شکست
کعبہ آباد است از اصنامِ ما | خندہ زن کفر است براسلامِ ما

لیکن مایوس ہونے کی بات نہیں، تم مسلمان ہو، تمہارے دل میں ایک آرزو رہنی چاہئے۔ انسان صاحب آرزو ہے۔ کیا رہنی چاہئے کہ اُس دینِ حق کے لیے تمہاری کتنی کوشش ہے؟

مسلم اَستی سینہ را از آرزو آباد دار | ہر زماں پیشِ نظر لَا یُخْلِفُ الْمِيعَاد دار
یادِ عہدِ رفتہ میری خاک کو اکسیر ہے | میرا ماضی میرے استقبال کی تفسیر ہے

سامنے رکھتا ہوں اس دور نشاط افزا کو میں دیکھتا ہوں دوش کے آئینے میں فردا کو میں

علامہؒ کہتے ہیں کہ جب میں اسلام کے ماضی پر ایک نظر ڈالتا ہوں تو مجھے کل کا چہرہ نظر آتا ہے، آج کا نہیں۔

نظر آئے گا اسی کو یہ جہانِ دوش و فردا جسے آگئی میسر مری شوخیٔ نظارہ

چشم بکشاے اگر چشم تو صاحب نظر است زندگی درپئے تعمیرِ جہانِ دِگر است

جہانِ نو ہو رہا ہے پیدا وہ عالم پیر مر رہا ہے جسے فرنگی مقامروں نے بنا دیا ہے قمار خانہ

آنکھ کھول کر دیکھ اگر خانۂ چشم میں دیکھنے والی آنکھ ہے کہ فرنگی جُوا باز تمہارے ہاں سے دولت چھین کر لے جارہا ہیں۔

Wealth is going from South to North, From East to West

لیکن یہ سلب ونہب کا دور ختم ہورہا ہے۔ حالات بدل رہے ہیں۔

عالم نو ہے ابھی پردۂ تقدیر میں میری نواؤں میں ہے اس کی سَحر بے حجاب

حادثہ جو ابھی پردۂ افلاک میں ہے عکس اس کا میرے آئینۂ ادراک میں ہے

اس آئینۂ ادراک کو انہوں نے Vision کہا ہے، خواب کہا ہے۔ یہ آئینۂ ادراک ہے، کوئی معمولی بات نہیں ہے

دو عالم را تواں دیدن بہ بینائے کہ من دارم کجا چشمے کہ بیند آں تماشائے کہ من دارم

علامہؒ نے اس بے تابی تمنا کا اظہار یوں کیا ہے:

ازپئے قومے زِ خود نا محرمے خواستم از حق حیاتِ محکمے

درسکوتِ نیم شب بالا بُدم عالم اندر خواب ومن گریاں بُدم

جانم از صبر و سکوں محروم بود وردِ من یاحی و یاقیوم بود

آرزوئے داشتم خوں کردمش تازِ راہِ دیدہ بیروں کردمش

(ایک ایسی قوم کے بارے میں جو اپنے مقام سے آگاہ نہیں، میں نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ انہیں ٹھیک ٹھاک پائدار زندگی عطا فرما۔ سب لوگ سو رہے تھے اور میری آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ میری جان صبر وسکون سے محروم تھی اور میں حی وقیوم سے دعا گو تھا۔ میری ایک آرزو تھی، وہ بیان کردی۔ کیسے بیان کردی؟ امڈتے آنسوؤں کے ساتھ میں نے اسے باہر نکال دیا۔)

یہ تھے وہ آنسو جو ان کی پہلے اور خصوصاً دوسرے خواب میں ظاہر ہوئے۔ یہ تھا وہ پس منظر۔ وہ کیوں یہ چاہتے تھے؟

دلِ زندہ سے نہیں پوشیدہ ضمیرِ تقدیر خواب میں دیکھتا ہے عالمِ نو کی تصویر

اور جب بانگِ اذاں کرتی ہے بیدار اسے کرتا ہے خواب میں دیکھی ہوئی دنیا تعمیر
بدن اس تازہ جہاں کا ہے اسی کی کفِ خاک روح اس تازہ جہاں کی ہے اسی کی تکبیر

نیز یہ کہ۔

جہانِ تازہ کی افکارِ تازہ سے ہے نمود کہ سنگ وخشت سے ہوتے نہیں جہاں پیدا

یہ تھی وہ کیفیت جس کے اندر انہوں نے ایک خواب دیکھا جسے ہم خواب اوّل کہتے ہیں۔ ان کو موقع ملا متحدہ اور غلام ہندوستان کے اندر 1930ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ الہٰ آباد کی صدارت کا۔ آپ نے اپنے خطبۂ صدارت کا آغاز ان الفاظ سے کیا:

''آپ حضرات نے آل انڈیا مسلم لیگ کی صدارت کے لیے ایک ایسے شخص کو منتخب کیا ہے جو یہ عقیدہ رکھتا ہے اور اپنے اس عقیدہ میں مایوسی کا کوئی شائبہ نہیں پاتا کہ اسلام ایک زندہ اور پائندہ قوت ہے جو انسانی نگاہ کو جغرافیائی حدود وقیود کے قفس سے آزاد کر کے اسے اس کی فطری وسعتوں میں اذنِ بال کشائی دے گا۔ جس کا عقیدہ یہ ہے کہ دین، انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں ایک اہم ترین قوت کا حامل ہے اور جسے اس کا محکم یقین ہے کہ اسلام خود تقدیرِ الٰہی ہے۔ زمانہ کی تقدیریں اس کے ہاتھ میں رہیں گی، اور اس کی تقدیر کسی کے ہاتھ میں نہیں ہوگی۔ ایسا شخص مجبور ہے کہ تمام مسائل کو اپنے خاص زاویہ نگاہ سے دیکھے۔ یہ ہرگز نہ خیال فرمایئے کہ جس مسئلہ کی طرف میں اشارہ کر رہا ہوں وہ کوئی نظری مسئلہ ہے۔ نہیں یہ تو ایک زندہ اور عملی مسئلہ ہے جو خود نفسِ اسلام پر بحیثیت ایک نظامِ حیات وعمل کے اثر انداز ہوگا۔ اس مسئلہ کے صحیح اور مناسب حل پر ہی اس امر کا انحصار ہے کہ آپ حضرات ہندوستان میں ممتاز تہذیب کے علمبرداروں کی حیثیت سے زندہ رہ سکیں گے۔''

اس تمہید کے بعد انہوں نے، مذہب اور دین کے فرق کو ان الفاظ میں نمایاں کیا، فرمایا:

''حقیقت یہ ہے کہ اسلام، خدا اور بندے کے درمیان ایک روحانی واسطہ کا نام نہیں۔ یہ ایک نظامِ حکومت ہے جس کی ہیئتِ ترکیبی میں یہ صلاحیت رکھی گئی ہے کہ وہ ہر عمل خیر کو اپنے اندر جذب کرے۔ اس نظام کا تعین اس وقت ہو چکا تھا جب کسی روسو کے دماغ میں ایسے نظام کا خیال تک بھی نہیں آیا تھا۔ اس نظام کی بنیاد ایک ایسے اخلاقی نصب العین پر رکھی گئی ہے جن کی رُو سے انسان جمادات اور نباتات کی طرح پابہ گِل مخلوق نہیں سمجھا جاتا کہ اس کو کبھی اِس خطۂ زمین سے منسوب کر دیا اور کبھی اس سے، بلکہ وہ ایک ایسی روحانی

ہستی سمجھا جاتا ہے جس کی صحیح قدروقیمت اس وقت معلوم ہوتی ہے جب وہ ایک خاص معاشرتی نظام کی مشینری میں اپنی جگہ فٹ ہو۔ وہ ایک فعال مشینری کا پُرزہ ہوتا ہے اور اسے ٹھیک انداز میں چلانے کے لیے اس پر حقوق وفرائض کی ذمہ ّداریاں عائد ہوئی ہیں۔''

اس نظری بحث کے بعد وہ اس عملی سوال کی طرف آئے جس کے لیے یہ تمہید اٹھائی گئی تھی۔ اس ضمن میں انہوں نے کہا:

''ہندوستان دنیا بھر میں سب سے بڑا اسلامی ملک ہے۔ اس ملک میں اسلام بہ حیثیت ایک تمدّنی قوت کے اسی صورت میں زندہ رہ سکتا ہے کہ اسے ایک مخصوص علاقہ میں مرکوز کردیا جائے۔ اگر یوں ایک مرکزیت قائم کردی جائے تو یہ آخرالامر نہ صرف ہندوستان بلکہ تمام ایشیاء کی گتھیاں سلجھادے گا۔''

سچ کہا تھا اس دیدہ ور نے ؎

حادثہ وہ جو ابھی پردۂ افلاک میں ہے
عکس اس کا میرے آئینہ ادراک میں ہے

اس وقت کے حالات کے مطابق اس مسئلہ کا انہوں نے عملی حل یہ بتایا کہ:

''میری آرزو یہ ہے کہ پنجاب، صوبہ سرحد، سندھ اور بلوچستان کو ملا کر ایک واحد ریاست قائم کی جائے۔۔۔ مجھے تو یہ نظر آتا ہے کہ شمالی مغربی ہندوستان میں ایک متحدہ اسلامی ریاست کا قیام کم ازکم اس علاقہ کے مسلمانوں کے مقدر میں لکھا جاچکا ہے۔''

انگریزی زبان میں ان کے الفاظ تھے:

"I would like to see the Punjab, North-West Frontier Province, Sind and Baluchistan amalgamated into a single State. Self-government within the British Empire, or without the British Empire, the formation of a consolidated North-West Indian Muslim State, appears to me to be the final destiny of the Muslims, at least of North-West India. "

اس مملکت کے قیام سے ہوگا کیا؟ فرمایا کہ:

''اس سے اسلام کو اس امر کا موقعہ ملے گا کہ وہ ان اثرات سے آزاد ہوکر جو عربی ملوکیت کی وجہ سے اب تک اس پر قائم ہیں، اس جمود کو توڑ ڈالے جو اس کی تہذیب وتمدّن، شریعت اور تعلیم پر صدیوں سے طاری ہے۔ اس سے نہ صرف ان کی صحیح معنوں میں تجدید ہوسکے گی بلکہ وہ زمانۂ حال کی رُوح سے بھی قریب تر ہوجائیں گے۔'' (1)

تو یہ تھا علامہؒ کا پہلا خواب۔ 1938ء میں وہ ہمیں داغِ مفارقت دے گئے۔ لیکن ان کے ساتھیوں نے 1940ء

(1) علامہ اقبالؒ کا الہ آباد کے خطبۂ صدارت کی تفصیل طلوعِ اسلام ٹرسٹ کی شائع کردہ کتاب ''اقبال اور قرآن'' جلد دوم صفحات 98 تا 101 سے حاصل کی گئی ہے۔

میں آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس مورخہ 23 مارچ کو لاہور میں ایک قرارداد منظور کی جس کی بنا پر قائد اعظم محمد علی جناحؒ کے قیادت میں قوم نے وہ مملکت حاصل کر لی جس کا تصور علامہؒ نے 1930ء میں پیش کیا تھا۔

میرا آج کا موضوع ہے:

علامہ محمد اقبالؒ کا دوسرا خواب

(An other vision of Allama Muhammad Iqbal)

علامہؒ کے دل میں ایک تڑپ تھی کہ کہیں ہم مسلمان مشرکین میں تو شمار نہیں ہو رہے۔ یہ بات انہیں بیتاب رکھتی تھی۔ عالمِ اسلام کے متعلق طرح طرح کے خیالات ان کے ذہن میں آتے تھے۔ یہ ہو جائے یا یوں ہو جائے، مثلاً

ہو رہا ہے ایشیاء کا خرقۂ دیرینہ چاک
نوجواں اقوامِ نَو دولت کے ہیں پیرایہ پوش

اس حالت میں کیا کیا جائے:

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لیکر تابخاکِ کاشغر

تا خلافت کی بنا ہو دنیا میں پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

طہران ہو اگر عالمِ مشرق کا جنیوا
شاید کہ کرۂ ارض کی تقدیر بدل جائے

وہ مسلمان سے مخاطب ہو کر کہتے تھے:

یہ نکتہ سرگزشتِ ملتِ بیضا سے ہے پیدا
کہ اقوامِ زمیں ایشیا کا پاسباں تو ہے

پرے ہے چرخِ نیلی فام سے منزل مسلماں کی
ستارے جس کی گردِ راہ ہوں وہ کارواں تو ہے

اقوامِ زمینِ ایشیاء کا پاسبان ہونے کی بات مدنظر رکھئے۔ بات آگے آئے گی۔

وہ نوعِ انسانی کی وحدت کے قائل تھے۔ وہ اقوام کی شکل میں اس وحدت کو پارہ پارہ نہیں دیکھنا چاہتے تھے۔ وہ اسلام کی وحدتِ انسانی کی دعوت کو کامیاب دیکھنا چاہتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے کہا۔

مکّے نے دیا خاکِ جنیوا کو یہ پیغام
جمعیتِ اقوام کہ جمعیتِ آدم

انہی خیالات میں ڈوبے وہ سفرِ یوروپ پر گئے۔ سپین بھی گئے۔ وہی سپین جہاں 800 سال تک مسلمانوں کی حکومت رہی تھی، خلافت نہیں۔ وہاں ایک دریا ہے ''الکبیر'' اس کے کنارے بیٹھے ہوئے مستقبل میں جھانکنے لگے:

آبِ روانِ کبیر تیرے کنارے کوئی
دیکھ رہا ہے کسی اور زمانے کا خواب

کونسی وادی میں ہے، کونسی منزل میں ہے
عشقِ بلا خیز کا قافلۂ سخت جاں

اس قسم کے خیالات ان کے دل میں موجزن رہتے تھے۔ یہی وہ پس منظر تھا جس کی بنا پر انہوں ایک اور پہلو پر کام کیا وہ اپنی آرزو کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:

یا رب دلِ مسلم کو وہ زندہ تمنا دے — جو قلب کو گرما دے جو روح کو تڑپا دے
میں بندۂ ناداں ہوں مگر شکر ہے تیرا — رکھتا ہوں نہاں خانۂ لاہوت سے پیوند
اک ولولۂ تازہ دیا میں نے دلوں کو — لاہور سے تا خاکِ بخارا و سمرقند

نہاں خانہ لاہوت سے تعلق کی بنا پر اپنے Vision، آئینۂ ادراک میں جھانک ایک تحریک (Movement) کو دیکھا جو لاہور سے شروع ہو کر ان علاقوں کی طرف جائے گی جہاں بخارا اور سمرقند واقع ہیں۔ اور بھی شہر تھے کسی کا نام نہیں لیا، لاہور کا نام لیا۔ وہ خود یہاں موجود تھے اور اس تحریک کا آغاز کر رہے تھے اور اس کے لیے ایک ولولۂ تازہ دیا۔

یہ ولولہ کیا ہے؟ ولولہ کسی مقصد میں سرگرمی، انتہائی سنجیدگی، مستعدی، جذباتی لگن، جوش و خروش، انہماک، چاؤ اور زندہ تمنا کو کہتے ہیں۔ چونکہ کام کی نوعیت بے حد توجہ اور محنت چاہتی تھی، اس لئے اپنے کم کوش ساتھیوں سے یوں مخاطب ہیں:

اپنی اصلیت سے ہو آگاہ اے غافل کہ تو — قطرہ ہے لیکن مثالِ بحرِ بے پایاں بھی ہے
کیوں گرفتارِ طلسمِ ہیچ مقداری ہے تو — دیکھ تو پوشیدہ تجھ میں شوکتِ طوفاں بھی ہے
ہفت کشور جس سے ہو تسخیر بے تیغ و تفنگ — تو اگر سمجھے تو تیرے پاس وہ ساماں بھی ہے

پھر یہ بھی کہ۔

یہ نکتہ سرگزشتِ ملتِ بیضا سے ہے پیدا — کہ اقوامِ زمیں ایشیا کا پاسباں تو ہے

اب علامہؒ نے ہفت کشور کہا ہے۔ خیال و تصور میں ہفت کشور سوچا۔ یہ پاکستان، افغانستان، تاجکستان، ازبکستان، کرغیزستان، ترکمانستان اور قازقستان، یہ سات ریاستیں ہیں جن میں ''ستان'' مشترک ہے یہ ساری اب خودمختار ریاستیں (Independent States) ہیں۔ ہمارے ہاں بھی بلوچستان اور ایران کے ہاں بھی۔ دونوں صوبے (Provinces) ہیں، کشور (State) نہیں۔ کردستان ترکی میں، کردستان ایران میں، دونوں صوبے (Provinces) ہیں، Independent States نہیں۔ کشور Independent States کو کہتے ہیں اور اقلیم صوبے کو اس لئے کوئی اور خطہ Qualify نہیں کرتا۔ (ہندوستان ٹوٹنے کے بعد سرکاری طور پر اپنے کو بھارت کہتا ہے۔ وہ غیر مسلم ہے، اس صف میں نہیں آتا۔)

آپ نقشہ میں ان ریاستوں کو ملاحظہ فرمایئے اور ان کی بعض معلومات چارٹ میں دیکھیں۔

R U S S I
60°N
80°N
Saratov
Samara
Omsk
Kustanay
Pavlodar
Barnaul
Ural'sk
Astana
Rubtsovsk
Volgograd
Irtysh
Krasnodar
Karaganda
Semipalatinsk
Astrakhan
Gur'yev
KAZAKHSTAN
Groznyy
CASPIAN SEA
Aral'sk
GEORGIA
Tbilisi
Aral Sea
Balkhash
Kzyl-Orda
L.Balkhash
AZERBAIJAN
Baku
UZBEKISTAN
Turkestan
Alma Ata
Tashauz
Bishkek
TURKMENISTAN
Tabriz
Bukhara
Tashkent
KIRGIZIA
Tarim
Kirkuk
Ashkhabad
Samarkand
SINKIANG
TAJIKISTAN
Kashgar
Tehran
Dushanbe
Yarkand
Hamadan
Mashhad
Mary
Gilgit
Khotan
Ahvaz
Esfahan
Herat
Kabul
Peshawar
Jammu & Kashmir
Birjand
Abadan
AFGHANISTAN
Islamabad
TIB
Kuwait City
IRAN
Shiraz
Kandahar
Quetta
Lahore
Chandigarh
Zahedan
BAHRAIN
Manama
PAKISTAN
Saharanpur
Bandar Abbas
QATAR
Doha
New Delhi
Aligarh
NEPAL
Abu Dhabi
Dubai
Indus
Gwadar
Hyderabad
Jodhpur
UNITED ARAB EMIRATES
Agra
Kanpur
Ganga
Karachi
Jaipur
Muscat
Allahabad
Al Hadd
INDIA
Juhagarh
Ahmadabad
OMAN
ARABIAN SEA
Nagpur
Mumbai
Salalah
Pune
Vishakhapatnam
Hyderabad
Socotra (Yemen)
Kurnool
Nellore
Bangalore
Chennai
Laccadive Is. (India)
Mysore
Madurai
Jaffna
Kandy
Colombo
SRI LANKA
500
1000 km

ہفت کشور

ملک کا نام	رقبہ مربع کلومیٹر	آبادی	دارالحکومت	مسلمان فیصد آبادی	خواندگی کی شرح فیصد	بڑی زبانیں	فی کس آمدنی ڈالرز میں	یوم آزادی
قزاقستان	2,717,300	18,960,352	آستانہ	70	99.8	رشین، قزاق	24,100 (2014)	16دسمبر1991ء
کرغیرستان	198,500	5,995,272	بشکیک	75	99.5	کرغیز	3300 (2014 est)	31اگست1991ء
ازبکستان	447,400	29,473,614	تاشقند	88	99.6	ازبک	5600 (2014 est)	1ستمبر1991ء
ترکمانستان	488,100	529,137	اشک آباد	89	99.7	ترکمان	14,200 (2014 est)	27اکتوبر1991ء
تاجکستان	143,100	8,330,946	دوشنبے	99	99.8	تاجک	2700 (2014 est)	9ستمبر1991ء
افغانستان	647,500	33,332,204	کابل	99.70	38.2	دری، پشتو	1900	19اگست1919ء
پاکستان	796,095	201,995,536	اسلام آباد	96.40	57.9	اردو	4700	14اگست1947ء
میزان	5,437,995	303,779,241						
انڈیا (بھارت)	3,165,596	1,266,883,584	نئی دہلی	14	66	ہندی، انگلش	2960	15اگست1947ء
چین	9,571,300	1,366,993,920	بیجنگ	2.4	93.3	منڈرین، چینی	6020	1اکتوبر1949ء
ریاستہائے متحدہ امریکہ	9,629,047	325,245,056	واشنگٹن ڈی سی	1.9	99.0	انگلش	54,400	4جولائی 1776ء
یونائٹڈ کنگڈم	244,100	64,430,428	لنڈن	11	99.0	انگلش	36130	یو کے 1801ء

چارٹ میں ان سب کی زبانیں الگ الگ لکھی ہوئی ہیں لیکن یہ الگ الگ نہیں ہیں۔ یہ سب دَری زبانیں ہیں۔ دری پرانی فارسی زبان ہے جسے پہلوی بھی کہتے ہیں۔ جدید فارسی سے لہجے کا فرق ہے انہی علاقوں کے مسلمان حکمران اسے موجودہ پاکستان لائے تھے۔ اب یہ پاکستان میں کم اور اوپر تک زیادہ سمجھی اور بولی جاتی ہے۔ علامہ مرحوم نے اسی زبان کو اپنے پیغام کا ذریعہ بنایا تھا۔ چنانچہ جاوید نامہ میں بعنوان ''حرکت بہ کاخ سلاطین مشرق'' نادر شاہ علامہ کو ان الفاظ میں خوش آمدید کہتا ہے۔

خوش بیا اے نکتہ سنج خاوری　　اے کہ می زیبد ترا حرفِ دری

دری زبان کا پہلا رسم الخط ''عربی، فارسی'' From right to left تھا۔ روس نے اپنے دورِ استعماریت میں رومن، روسی انداز میں From left to right کر دیا اور اس میں کتابیں لکھوانا شروع کر دیں۔ اب ان کی جدید کتابیں اسی رسم الخط میں لکھی ہوئی ہیں لیکن پڑھتے وہی دری ہیں۔ البتہ سب پرانی کتابیں نئے لوگوں کے لیے بے کار ہو گئیں۔

ملاحظہ فرمائیں امریکہ (USA) کی آبادی اور ان ہفت کشور کی آبادی میں تھوڑا ہی فرق ہے لیکن USA کی 52 ریاستیں متحد ہو کر ایک ہو گئی ہیں اور دنیا کی عظیم طاقت شمار ہوتی ہیں اور آپ کی یہ سات ریاستیں ہیں، ان کی عالمی حیثیت کچھ نہیں۔ ان سات ریاستوں کے ساتھ ''ایک'' کہیں نہیں لگا ہوا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ان کے ساتھ بھی ''ایک'' لگائیے۔ اپنا ایک نقطۂ نظر بنائیے۔ یہ علامہ اقبالؒ کے نزدیک بے تیغ و تفنگ تسخیر ہو سکتی ہیں۔ لیکن۔

روح از تن رفت و ہفت اندام ماند　　آدمیت گم شد و اقوام ماند

جسم کے اندر روح نہ رہے تو ہفت اندام (سر، دو ہاتھ، دو پاؤں، پیٹ اور سینہ) باقی رہ جاتے ہیں جو کسی کام نہیں

آتے۔اسی طرح یہ ہفت کشور، یہ ہفت اندام، واضح مسلم اکثریت کا علاقہ ہیں۔ یہ اقوام میں تبدیل ہوکر غیر مؤثر ہو گئے ہیں۔ ایک ولولۂ تازہ، اسلامی روح کے ساتھ یہ جسدِ واحد کی طرف فعال ہوجائیں تو وہ علاقہ جو صدیوں نہیں، ہزاروں سال تک تمدنِ انسانی میں نمایاں مقام کا حامل رہا ہے، دوبارہ اپنا شرف حاصل کرلے گا۔اس کی یہ نشأۃ ثانیہ، ایشیاء کے مسائل کو گتھیاں سلجھادے گی اور وحدتِ انسانی کی منزل قریب تر ہوجائے گی۔

علامہ اقبالؒ نے اس بارے جسے خطرہ سمجھا وہ اسے بار بار دہراتے رہے۔ان کے دور میں ابھی پاکستان آزاد نہیں ہوا تھا۔افغانستان کے ہاتھ استعماری طاقتوں نے باندھ دیئے تھے۔باقی 5 ریاستیں روس کی زیرِ حکمرانی تھیں۔علامہ کی بصیرت نے قریب ایک صدی قبل یہ دیکھا کہ یہ ریاستیں بااختیار ہوجائیں گی اور Independant States۔ ''کشور'' بن جائیں گی۔ یہ بطور اقوام ابھریں گی اور ہفت اندام بے روح کی حیثیت اختیار کرلیں گی۔اس نے قبل از وقت اس خطرے کو بھانپا اور وارننگ دی۔

ہوس نے ٹکڑے ٹکڑے کردیا ہے نوعِ انساں کو — اخوت کا بیاں ہوجا، محبت کی زباں ہو جا
یہ ہندی وہ خراسانی، یہ افغانی وہ ایرانی — تو اے شرمندۂ ساحل اُچھل کر بے کراں ہو جا
بتانِ رنگ وخوں کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا — نہ تورانی رہے باقی نہ ایرانی نہ افغانی

اس لئے کرنے کا کام یہ ہے کہ۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے — نیل کے ساحل سے لیکر تا بخاکِ کاشغر
جو کرے گا امتیازِ رنگ وخوں مٹ جائے گا — ترکِ خرگاہی ہو یا اعرابیٔ والا گہر
نسل اگر مسلم کی مذہب پر مقدم ہوگئی — اڑگیا دنیا سے تو مانندِ خاکِ رہ گزر

یہ وہ خطرات تھے جو علامہ اقبال کے دل میں کھٹکتے تھے۔ان کی بصیرت نورِ قرآنی سے استفادہ کرتی تھی۔قرآنِ کریم نے سورہ شوریٰ میں فرمایا ہے:

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ۭ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ۭ ---(42:13)

ترجمہ: اسی (اللہ) نے مقرر کیا ہے تمہارے لیے دین کا وہ طریقہ جس کی تاکید کی تھی اس نے نوحؑ کو اور یہی وہ دین ہے جسے وحی کیا ہے ہم نے آپ (ﷺ) کی طرف اور وہ جس کا حکم دیا تھا ہم نے ابراہیم (علیہ السلام)، موسیٰ (علیہ السلام) اور عیسیٰ (علیہ السلام) کو اور وہ یہ ہے کہ ''قائم کرو دین کو اور نہ پھوٹ ڈالو اس میں''۔ بہت گراں ہے مشرکوں پر وہ بات، بلاتے ہو تم انہیں جس کی طرف---

اللہ تعالیٰ نے یہ وارننگ دی تھی۔ یہ خطرات تھے جنہیں ہم نے درخورِ اعتناء نہیں سمجھا۔ ان خطرات کو ''مشرکوں''، اسلامی نظام کی مخالفین نے سمجھا اور ہمیں گروہوں، فرقوں اور قوموں میں تقسیم کر دیا۔ آج ہمارے ملکوں میں NGOs کام کر رہی ہیں جنہیں بالعموم دوسرے ملک Sponsor کرتے ہیں۔ ان کے Ambassadors، ان کے خفیہ بھیجے ہوئے لوگ ہمیں اختلافات، گروہ بندی اور تفرقہ انگیزی کی طرف لے جا رہے ہیں۔ یہ دہشت گردی اسی کا نتیجہ ہے۔

یہ کچھ تو مشرکین، بظاہر مذہب پرست اور نظام اسلامی کے مخالف، کر رہے ہیں لیکن بحیثیت قوم ہم نے بھی مخالف سمت میں کچھ کردار ادا کیا ہے۔ گزشتہ 60 سال کے عرصہ میں علامہ اقبالؒ کو نصابِ تعلیمی سے غائب کر دیا ہے۔ پاکستان بننے کے بعد کسی بھی جلسے کا آغاز تلاوتِ قرآن سے ہوتا تھا اور پھر کلام اقبال پیش کیا جاتا تھا۔ محفلوں اور تکیوں میں کلام اقبال گایا جاتا تھا۔ مجھے ان کے گائے ہوئے اشعار اب بھی یاد ہیں۔ سوال یہ ہے کہ وہ نوجوان جو گلیوں میں کلام اقبال گاتے پھرتے تھے، آج کیوں نہیں۔ علامہ اقبالؒ کا کوئی شعر حوالہ کے طور پر سنا دو تو کہتے ہیں کہاں لکھا ہوا ہے؟ علامہ اقبالؒ کو غائب کر دیا گیا ہے۔

پاکستان بننے کے بعد ابتدائی اور ثانوی کلاسوں میں فارسی پڑھائی جاتی تھی۔ وہی فارسی جسے دری کہتے ہیں، وہ نہیں جو ایران سے آئی تھی۔ یہی اُسی علاقے سے آئی ہوئی فارسی جو حکمران ساتھ لائے تھے۔ کیا ہوا؟ اب فارسی کورس میں شامل ہی نہیں۔ فارسی پڑھانے کے لیے استاد ہی نہیں ہیں۔ یہ دو سازشیں ایسی ہوتیں۔ ایک روس نے اس علاقہ میں رسم الخط (Alphabet) تبدیل کیا تا کہ نئی نسل اپنے آباء کی کتابیں نہ پڑھ سکے۔ دوسرے ہمارے درمیان رابطہ استوار ہو سکتا تھا فارسی (دری) زبان کے ذریعے۔ وہ آئیں تو ہم ان کی بات سمجھ سکیں اور وہ ہماری۔ ان سارے علاقوں قازقستان سے لے کر پاکستان تک دری زبان سمجھی جاتی تھی۔ اس کو پاکستان سے غائب کیا گیا۔ یہ ایسی چیزیں ہیں جن کو آپ Ignore نہیں کر سکتے۔ ان کا حل نکال سکتے ہیں۔

اس کے علاوہ بھی مشکلات ہیں۔ چند عشرے پہلے روس نے افغانستان میں اپنی فوجیں بھیج دیں۔ روس چاہتا تھا ان علاقوں کا رابطہ ہمارے بلوچستان میں سے گرم سمندری پانیوں تک بنا دے۔ امریکہ اس میں حائل ہوا۔ اس نے کہا ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ ہم نے روس کو افغانستان سے نکال دیا۔ اس کے نکلنے کے بعد یہ پانچ ریاستیں بھی آزاد ہو گئیں۔ قدرت آپ کا راستہ بنا رہی ہے۔ ہم نہیں بنا رہے ہے۔

سیالکوٹ میں ایک پورٹ بنی ہوئی ہے، اسے ڈرائی پورٹ کہتے ہیں۔ لاہور میں بھی ہے۔ کراچی والی پورٹ کو Seaport کہتے ہیں۔ میں آپ کی توجہ ایک نہر کی طرف مبذول کراتا ہوں۔ یہ نہر سویز ہے۔ یہ بحیرہ روم کو بحیرہ قلزم سے ملاتی ہے اور پھر Indian Ocean سے ملاتی ہے اور یورپ کی ایشیائی اور مشرقی ممالک سے تجارت کا ذریعہ ہے

وہ Wet canal ہے۔ ستر کی دہائی میں وہ نہر بند ہوگئی تو مصر نے واویلا مچایا کہ میری تو معیشت تباہ ہوگئی۔ مصر کا صدر شاہ فیصل کے پاس گیا کہ یا تو مجھے معاشی سہارا دیں یا اس نہر کو کھلوائیں۔ اتنی اہمیت تھی اس 100 میل لمبی WET CANAL کی۔ آپ کو قدرت نے ایک DRY CANAL دی ہے کہ پانی تو نہیں اس میں لیکن کینال کا جو فنکشن وہاں مصر میں ہے، وہ آپ کو یہاں میسر آسکتا ہے۔ یہ نہر چین کا شغر سے چلے گی جو پہلے ہی پانچ اسلامی ریاستوں سے مواصلاتی طور پر ملا ہوا ہے اور پاکستان سے گزرتی ہوئی گوادر پورٹ تک جائے گی۔ یہ ڈرائی کینال ہے۔ اسے آپ محسوس (feel) کریں۔

علامہ اقبالؒ نے اس کا کس طرح تصور کیا۔ انہوں نے نہاں خانۂ لاہوت سے پیوند رکھا اور اپنے آئینۂ ادراک میں اس کی جھلک دیکھی۔

اس نے ہفت کشور کا نظارہ کیا۔ پھر اسے ہفت اندام کی صورت میں دیکھا۔ کہ ہفت اندام تو رہ گیا، قوم نہیں رہی، انسانیت نہیں رہی کہ محض اندام تو کچھ نہیں ہوتے لیکن وہ پُر اُمید تھے کہ۔

ہفت کشور جس سے ہو تسخیر بے تیغ و تفنگ — تو اگر سمجھے تو تیرے پاس وہ سامان بھی ہے

یہ تھا علامہ اقبالؒ کا دوسرا خواب کہ ان کے کلام کے اثر سے ''ہفت کشور'' میں یکجہتی کا مرحلہ بالآخر پُرامن طریقہ سے طے ہوگا اور خلافت کی بنا دنیا میں پھر سے استوار ہوگی۔

طلوعِ اسلام میں اشتہارات کے نئے ریٹس

جنوری 2016ء سے طلوعِ اسلام میں چھپنے والے اشتہارات کے نئے ریٹ درجِ ذیل ہیں۔

ٹائٹل صفحات

	ماہانہ وار	سالانہ
بیک ٹائٹل بیرونی (چار رنگہ آرٹ پیپر)	-/6,000 روپے	-/60,000 روپے
اندرونی ٹائٹل (ایک رنگہ آرٹ پیپر)	-/4,000 روپے	-/40,000 روپے
اندرونی ٹائٹل (چار رنگہ آرٹ پیپر)	-/5,000 روپے	-/50,000 روپے

اندرونی صفحات

	ماہانہ وار	سالانہ
مکمل صفحہ (یک رنگہ)	-/3000 روپے	-/30,000 روپے
نصف صفحہ (یک رنگہ)	-/1500 روپے	-/15,000 روپے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یکے از مطبوعات باغبان ایسوسی ایشن

☆ باغبان ایسوسی ایشن کا ماٹو ''قرآن فہمی اور باغبانی'' ہے۔

☆ باغبانوں کے غیر رسمی مقامی اجتماعات ہر ماہ کی 15، 30 تاریخ کو ہوتے ہیں جن میں وہ اپنے تجربات و مشاہدات پر مشاورت کرتے ہیں۔ کیا آپ نے بھی اس کی ابتداء کی ہے؟

☆ شجر کاری میں مثالی طور پر حصہ لیں۔

جاگتے رہو!

(باغبان دانشوروں کی چند تجاویز)

☆ مُسلم معاشرہ خوف وحزن سے پاک ہوتا تھا اور آج بھی ہم وہ صورتحال پیدا کر سکتے ہیں جس کے لیے مسلسل تعلیم وتربیت اور تہذیب کی ضرورت ہے۔ بدقسمتی سے آج ہم خود ساختہ فتنوں، ازمائشوں، دہشت گردی، لوٹ مار، رشوت، بھتہ خوری، کمیشن اور منافع کے لالچ میں حرام خوری اور سودی کاروبار کے مروہ دھندے میں شامل ہی نہیں بلکہ ہماری اشرافیہ اس میں غرق ہو چکی ہے۔

☆ اس صورتحال سے بچنے کے لیے ہمیں عقل ودانش، فکر وتدبرّ، بیداریٔ دل ودماغ کے پورے پورے ذہنی احساس سے اپنی موجودگی اور زندگی کا عملاً ثبوت دینا پڑے گا۔

☆ روپے پر روپے کی کمائی، منافع مسلسل بالکل حرام اور سود ہے اس سے بچنا ہوگا۔

☆ پراپرٹی ڈیلرز کو خوبصورت لہجے میں بتانا پڑے گا کہ ''الارض للّٰہ'' کا بھی کوئی مقام ہے۔

☆ خالق کا اپنا مقام ہے اور مخلوق کا اپنا مقام۔

☆ جس گاڑی میں آپ سفر کریں اُس کا نمبر ضرور نوٹ کریں۔

☆ اگر آپ کو کوئی چکر دیکر بٹھانے کی کوشش کرے تو اُس گاڑی کا نمبر معلوم کر کے مناسب شناخت کے بعد اُس کا ساتھ دیں اور فرنٹ سیٹ پر نہ بیٹھیں بلکہ پچھلی سیٹ پر سفر کریں۔

☆ سنجیدگی سے زیادہ شگفتہ مزاجی سے بات چیت کریں۔

☆ دورانِ سفر کسی سے کچھ لیکر نہ کھائیں۔

☆ دیہات کے پنچائتی نظام کی اہمیت بڑھ رہی ہے۔

شعبۂ نشرو اشاعت باغبان ایسوسی ایشن

خواجہ ازہر عباسؒ، فاضلِ درسِ نظامی
www.azharabbas.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عورتوں پر تشدّد۔۔۔ ایک آیہ کریمہ کی مذہبی و دینی تفسیر

ارشاد حضرتِ باری تعالیٰ عز اسمہ ہے وَالّٰتِیۡ تَخَافُوۡنَ نُشُوۡزَهُنَّ فَعِظُوۡهُنَّ وَاهۡجُرُوۡهُنَّ فِی الۡمَضَاجِعِ وَاضۡرِبُوۡهُنَّ ۚ (4:34) ترجمہ: اور جن کی بدخوئی کا ڈر ہو تم کو، تو اُن کو سمجھاؤ، اور جدا کرو سونے میں اور مارو، اس آیہ کریمہ کا یہ عام طور پر ترجمہ کیا جاتا ہے۔ہم نے بھی جو ترجمہ تحریر کیا ہے یہ حضرت شیخ الہند کا کردہ ترجمہ ہے جو مستند ترین ترجمہ سمجھا جاتا ہے۔اس آیت کے حاشیہ میں حضرت العلام مولانا شبیر احمد عثانی صاحب نے تحریر فرمایا ہے "یعنی اگر کوئی عورت خاوند سے بدخوئی کرے تو پہلا درجہ تو یہ ہے کہ مرد اس کو زبانی فرمائش کرے اور سمجھا دے۔اگر نہ مانے تو دوسرا درجہ یہ ہے کہ جدا سوئے لیکن اسی گھر میں۔اس پر بھی نہ مانے تو آخری درجہ یہ ہے کہ اس کو مارے۔پر نہ ایسا کہ جس کا نشان باقی رہے۔یا ہڈی ٹوٹے ہر تقصیر کا ایک درجہ ہے اس کے موافق تادیب اور تنبیہ کی اجازت ہے جس کے تین درجے ترتیب وار آیت میں مذکور ہیں اور مارنا پیٹنا آخر کا درجہ ہے۔سرسری قصور پر نہ مارے ہاں قصور زیادہ ہو تو پھر مارنے میں حرج نہیں۔جس قدر مناسب ہو مارے پیٹے مگر اس کا لحاظ رہے کہ ہڈی نہ ٹوٹے اور نہ ایسا زخم پہنچائے جس کا نشان باقی رہ جائے۔" حضرت نے جو یہ تحریر فرمایا ہے "پھر مارنے میں حرج نہیں جس قدر مناسب ہو مارے پیٹے۔" تو ہمیں حیرت ہے کہ حضرت نے یہ الفاظ کیسے تحریر کر دیئے ہمارے نزدیک تو عورتوں کو مارنا پیٹنا چوڑھوں، چماروں کا کام ہے۔کوئی شریف آدمی تو ہرگز ہرگز اس کا ارتکاب نہیں کرسکتا۔حضرت مولانا کی ذاتی شرافت میں تو کلام ہی نہیں ہوسکتا۔تاہم ہمارے علماء کی زیادہ تر اکثریت اس مار پیٹ کو بُرا نہیں سمجھتی۔بہرحال اگر وہ اس کو بُرا نہیں سمجھتی تو خوب شوق سے ماریں تاہم نہ تو قرآن کو بدنام کریں اور نہ ہی شریف شرفاء کو اس شغل شنیع پر مجبور فرمائیں۔

(2) ہمارے ہاں قرآنِ کریم کا قدیم ترین اور مستند ترین ترجمہ شاہ عبدالقادر صاحب کا ہے انہوں نے بھی اس آیت کا یہ ترجمہ کیا ہے "اور جن کی بدخوئی کا ڈر ہو تم کو تو اُن کو سمجھاؤ اور جدا کرو سونے میں، اور مارو۔"

(3) ان کے ہی والد محترم شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی جو برصغیر کے سب سے بڑے عالم شمار ہوتے ہیں اور جنہوں نے سب سے پہلے قرآن کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا ہے۔وہ اس آیت کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں۔"وآں زناں کہ معلوم کنید سرکشی اِیشاں پس پند دہید ایشاں را۔" اس آیت کے حاشیہ میں شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں "وبزنید ایشانرا زدنی کہ

نخراشدونہ شکند عضورا۔ زشت نہ کند وگفتہ اند وعظ نزدیکِ خوفِ نشوز است، وہجر بہنگامِ ظہورِ نشوز، وضرب بوقت تکرار نشوز۔'' واضح رہے کہ یہ دونوں سزائیں، عورتوں کو خواب گاہوں میں چھوڑنا، اور مارنا، کسی بدچلنی یا بداطواری کی وجہ سے نہیں ہے۔ یہ صرف عورت کی بدخوئی کی سزائیں ہیں۔

(3) تفسیر مظہری میں مرقوم ہے ''اور جن عورتوں کی بددماغی کا تم کو اندیشہ ہو، تو ان کو نصیحت کرو، اُن کو اُن کی خوابگاہوں میں اکیلا چھوڑ دو، اور ان کو مارو۔'' اکثر مفسرین نے حکمِ ضرب کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ایسا مارو کہ مار کا نشان نہ پڑ جائے۔

(4) تفسیر عروۃ الوثقیٰ میں مرقوم ہے ''جن بیویوں سے تمہیں سرکشی کا اندیشہ ہو تو چاہئے کہ اُنہیں سمجھاؤ۔ پھر خوابگاہ میں ان سے الگ رہنے لگو اور اُنہیں مار بھی سکتے ہو۔ اس تفسیر میں وَاضْرِبُوْهُنَّ کا ترجمہ ''اُنہیں مار بھی سکتے ہو'' کیا ہے یہ ترجمہ غلط ہے اور مترجم کی Guilty Consciousness کی ترجمانی کر رہا ہے۔ مترجم کو خود محسوس ہو رہا ہے کہ مارنے کے فعل کا ارتکاب ایک بُری چیز ہے اس لئے اس کا ترجمہ ''مار بھی سکتے ہو'' کیا ہے۔ حالانکہ یہاں سارے صیغے فعل امر کے ہیں اس لئے یہاں ضرب کا حکم ہے۔ کرنے یا نہ کرنے کی کوئی Choice نہیں ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے لیکن جن عورتوں کو اس سے بھی فائدہ نہ ہو ممکن ہے کہ ان کی فطرت ہی کچھ ایسی سخت ہو کہ سختی و گرمی کے سوا اس کی اصلاح نہ ہو سکتی ہو۔ کیونکہ یہ مثل بھی مشہور ہے کہ لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے۔ اچھا تو اس کے لئے یہ نسخہ بھی آزما کر دیکھ لو اگر کر سکتے ہو تو ایک دو تھپڑ لگا کر دیکھ لو۔ یہ تیسری سزا بہت پابندیوں کے ساتھ دینے کی اجازت دی گئی ہے۔ آپ غور فرمائیں کہ یہ قرآن کی تفسیر ہو رہی ہے اور بیوی کے مارنے کو اس طرح Lightly اور casually لیا جا رہا ہے۔

(5) ایران میں اس موجودہ دور میں جو تفاسیر تحریر کی گئی ہیں ان میں ''المیزان'' کا مقام بہت بلند ہے۔ یہ تفسیر آیت اللہ علامہ محمد حسین طباطبائی کی تحریر کردہ ہے۔ یہ فاطمہ ٹرسٹ لندن، کی پیشکش ہے۔ اس تفسیر میں اس آیت کے ذیل میں تحریر ہے ''اور وہ عورتیں کہ تمہیں جن کی طرف سے سرکشی کا اندیشہ ہو تو اُنہیں نصیحت کرو اور اُنہیں ان کے بستروں پر بے رغبتی کا مظاہرہ کرو اور اُنہیں مارو۔'' یہ مفہوم موجودہ مہذب دور کی تفسیر میں تحریر کیا گیا ہے۔

(6) تفسیر نمونہ بھی ایران میں تحریر کی گئی ہے۔ یہ اس دور کی مقبول ترین تفسیر ہے۔ یہ انقلاب ایران کے بعد تحریر کی گئی ہے اور غالباً وہاں کی حکومت کی سرپرستی میں تحریر کی گئی ہے۔ اس تفسیر کے تحریر کرنے میں دس ''حجۃ الاسلام والمسلمین'' نے حصہ لیا ہے جن کے اسمائے گرامی اس تفسیر کے شروع میں مندرج کئے گئے ہیں۔ اس آیت کے ذیل میں اس تفسیر میں تحریر ہے ''اور اُنہیں ذمہ داریوں کی ادائیگی پر آمادہ کرنے کے لئے عملی شدت کے سوا کوئی بات نہ رہے تو یہاں اجازت دی گئی ہے کہ بدنی سرزنش کے ذریعے اُنہیں ان کے فرائض انجام دینے پر آمادہ کیا جائے۔ اس تفسیر نے مارنے کا لفظ استعمال نہیں کیا۔

بلکہ اس کی جگہ بدنی سرزنش تحریر کر دیا۔ لیکن بات تو ایک ہی ہے۔

(7) اس دور کے روشن خیال مفسر مولانا مودودی نے اپنی تفسیر ''تفہیم القرآن'' میں تحریر فرمایا ہے ''نبی ﷺ نے بیویوں کے مارنے کی جب کبھی اجازت دی ہے بادلِ ناخواستہ دی ہے اور پھر بھی اسے ناپسند ہی فرمایا ہے۔ تاہم بعض عورتیں ایسی ہوتی ہیں جو پیٹے بغیر درست ہی نہیں ہوتیں، ایسی حالت میں نبی ﷺ نے ہدایت فرمائی ہے کہ منہ پر نہ مارا جائے۔ بے رحمی سے نہ مارا جائے اور ایسی چیز سے نہ مارا جائے جو جسم پر نشان چھوڑ جائے۔''

ہماری طرف سے یہ بات واضح رہے کہ یہ سب تاویلات ہیں۔ غصہ میں کوئی شخص جب مارتا ہے تو ان قیود کا خیال نہیں رکھ سکتا اور نہ ہی ایسی چیزیں ڈھونڈتا پھرتا ہے کہ جن کے مارنے سے نشان نہ رہے۔ اصل بات یہی ہے عورتوں کو مارنا سفلہ اور رزیل لوگوں کا کام ہے۔ مولوی حضرات خود یہ محسوس کر رہے ہیں۔ لیکن چونکہ سابقہ مولوی اس آیت کا غلط ترجمہ اور غلط مفہوم لے چکے ہیں وہ اس مفہوم سے اِدھر اُدھر ہونا نہیں چاہتے۔

(8) حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب پاکستان کے مفتی اعظم تھے۔ اُن کی تفسیر معارف القرآن مشہور تفسیر ہے۔ انہوں نے بھی اس آیت میں وَاضْرِبُوهُنَّ کا ترجمہ ''ان کو مارو'' ہی کیا ہے۔ البتہ مارنے کی یہ وضاحت فرمادی ہے کہ ''اس کو معمولی مار مارنے کی بھی اجازت ہے جس سے اس کے بدن پر اثر نہ پڑے اور ہڈی ٹوٹنے یا زخم لگنے تک کی نوبت نہ آئے اور چہرہ پر مارنے کو مطلقاً منع فرمادیا گیا ہے''۔

جناب مفتی صاحب نے عورتوں کو مارنے کی وجہ بھی تحریر فرمادی ہے ''ابن سعد اور بیہقی نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی سے روایت نقل کی ہے کہ پہلے مردوں کو مطلقاً عورتوں کو مارنے سے منع کر دیا گیا تھا۔ مگر پھر عورتیں شیر ہوگئیں تو یہ اجازت مکرر دی گئی۔ مفتی صاحب کا خیال ہے کہ اگر عورتوں کو مارا نہ جائے تو وہ شیر بن جاتی ہیں۔

(9) ہندوستان کے مشہور عالم و مفسر مولانا عبدالماجد دریابادی کی روشن خیالی کا بہت چرچا ہے۔ وہ بی اے پاس ہیں اور فلسفی شمار ہوتے ہیں۔ تاہم انہوں نے بھی اپنی تفسیر میں عورتوں کو مارنے کا حکم جائز قرار دیا ہے۔ البتہ اُنہوں نے عورتوں پر اتنا کرم کیا ہے کہ اس مار کی وضاحت میں تحریر کیا ہے ''اس پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ یہ مار بالکل ہلکی پھلکی قسم کی ہو۔ ایسی نہ ہو جس سے چوٹ زیادہ آجائے یا جس سے رفیق زندگی کی توہین لازم آتی ہو۔ بلکہ مفسر صحابی ابن عباس رضی اللہ عنہ سے تو یہ منقول ہے کہ مار مسواک جیسی ہلکی پھلکی چیز سے ہو۔ مولانا کی تحریر سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ رفیق زندگی کو عزت مند ہونے کی اجازت تو دے رہے ہیں اور اس رفیق زندگی کے مارنے کو توہین سمجھ رہے ہیں مولوی حضرات سے یہ بھی بہت غنیمت ہے۔

(10) مولانا پیر محمد کرم شاہ الازہری کی تفسیر ''ضیاء القرآن'' بریلوی حضرات میں ایک مستند اور مشہور تفسیر ہے۔ اس تفسیر

میں دیگر تفاسیر کی طرح عورتوں کو مارنے کا حکم جائز قرار دیا گیا ہے۔اس تفسیر میں تحریر ہے ''وہ عورت جس میں شرافت کی حس ابھی زندہ ہے وہ اس سرزنش سے ضرور اپنی اصلاح کرے گی لیکن اگر یہ طریقِ کار بھی مفید ثابت نہ ہو تو پھر تم اس کو مار بھی سکتے ہو۔لیکن مار ایسی سخت نہ ہو جس سے جسم پر چوٹ آجائے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے تو یہ تصریح کردی ہے کہ اگر مارنے کی نوبت آئے تو مسواک یا اسی قسم کی کسی ہلکی چیز سے مارے۔آج کل کے جہلاء اپنی بیویوں کو بھینسوں کی طرح پیٹتے ہیں اس کی اجازت قطعاً اسلام نے نہیں دی۔'' یہاں ہم مولانا کے بے حد شکر گزار ہیں کہ انہوں نے عورتوں کو بھینسوں کی طرح مارنے کی اجازت نہیں دی۔ یہ ان عورتوں کے لیے بہت بڑا FAVOUR ہے تلک عشرۃ کاملہ، یہاں تک ہم نے دس حوالے تحریر کردیئے ہیں۔

ہم نے مولویانہ مذہبی تفاسیر کے دس حوالہ جناب کے سامنے پیش کردیئے ہیں۔اب ہم آپ کے سامنے اس آیۂ کریمہ کی دینی تفسیر پیش کرتے ہیں۔

عربی زبان میں ضرب کے معنی مارنا آتے ہیں لیکن اس کے معنی صرف مارنے کے ہی نہیں ہیں۔درسی لغت مصباح اللغات نے اس کے تقریباً دس معنے تحریر کئے ہیں۔دیگر معانی کے علاوہ ضرب کے معنی ''بیان کرنا'' بھی آتا ہے۔خود قرآنِ کریم نے ضرب کو بیان کرنے کے معنی میں استعمال کیا ہے ارشادِ عالی ہے كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ۥ (13:17) ترجمہ: اس طرح اللہ حق و باطل کی بات کو سمجھاتا ہے۔دوسرے مقام پر ارشاد ہے مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا ؕ (43:58) ترجمہ: یہ لوگ مجھے بات نہیں سمجھاتے بلکہ محض جھگڑا کرتے ہیں ایک اور مقام پر ارشاد ہے وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا (36:13) ترجمہ: ان کے لئے ایک مثال بیان کرو۔سورہ حج میں ارشاد ہے ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ (22:73) ترجمہ: ایک مثال بیان کی جاتی ہے اسے غور سے کان کھول کر سنو۔ان تمام مقامات پر قرآنِ کریم نے ضرب کو ''بیان کرنے'' کے معنی میں استعمال کیا ہے۔آیۂ کریمہ میں وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ کے الفاظ ترتیب کے لحاظ سے وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ کے بعد آتے ہیں کہ تم اُنہیں بستروں میں الگ کرنے کے بعد ساتھ میں اُن پر اس اقدام کی وجہ بیان کردو کہ تم نے ان کے ساتھ یہ ناراضگی کا رویہ کیوں اختیار کیا ہے تاکہ تمہارا یہ اقدام اثر انداز ہو مثلاً تم اپنی بیوی کو بتلاؤ کہ فلاں وقت اس نے تم سے بہت بُرا سلوک کیا۔عربی قواعدہ کی رو سے اس مقام پر وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ ترکیب میں فَعِظُوْهُنَّ کی تاکید اور اس کا بیان ہے۔یہاں مارنے کا مفہوم کسی طرح بھی درست معلوم نہیں ہوتا لیکن اگر بالفرض کوئی مولوی صاحب اس بات پر اصرار ہی کرتے ہیں کہ وہ یہاں وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ کے معنی مارنے کے ہی لیں گے اور ضرور بالضرور اپنی بیوی کو ماریں گے تو ان کی خدمت عالی میں عرض ہے کہ قرآنِ کریم نے جو احکامات دیئے ہیں اور خصوصاً سزاؤں کے احکامات، تو اس مقام پر قرآنِ کریم کے پیش نظر اسلامی مملکت ہوتی ہے۔وہ ان احکامات کے جاری کرنے اور ان پر عمل کرانے کی صورت میں ہمیشہ مملکت کو مخاطب کرتا ہے۔افراد کو مخاطب

نہیں کرتا مثلاً جو چور کی سزا بیان کرتا ہے کہ چور کا ہاتھ کاٹ دو (5:38) تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر کسی شخص کے چوری ہوتی ہے تو وہ محلے کے لوگوں کو اکٹھا کر کے اس چور کے خود ہاتھ کاٹ دے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص کے ہاں چوری ہوئی ہے وہ اس کی اطلاع تھانے یا عدالت میں دے۔ اس متعلقہ محکمہ میں اس کے جرم کی باقاعدہ تفتیش ہوگی اور اگر وہ شخص مجرم ثابت ہوا، تو عدالت کے لئے قرآن کا حکم ہے کہ چوری کی سزا ''ہاتھ کاٹنا'' ہے۔ حکومت کا ادارہ اس کو یہ سزا دے گا۔ اس زیر غور معاملہ میں بھی یہی صورت اختیار کرنی چاہئے کہ پہلے تو بیوی کو سمجھایا جائے۔ پھر اس کو اس کے بستر میں چھوڑ دیا جائے۔ اس کے بعد بھی اگر بیوی نرمی نہ پکڑے اور حالات درست نہ ہوں تو اس کی اطلاع متعلقہ محکمہ کو دی جائے۔ وہ محکمہ اس شکایت کی پوری پوری تفتیش کرے گا اور اگر مرد کی یہ شکایت درست ثابت ہوئی تو وہ محکمہ اس خاتون کو سزا دے گا۔ افراد کو اس بات کی بالکل اجازت نہیں کہ وہ مظلوم عورتوں کو از خود ماریں۔ جیسا کہ مولانا عثمانی نے لکھا ہے کہ جس طرح مردوں کا جی چاہے وہ عورتوں کو ماریں اور پیٹیں۔

یہ بات واضح رہے کہ قرآنِ کریم کے احکامات پر اسلامی ریاست میں ہی عمل ہوسکتا ہے۔ غیر اسلامی نظام میں نہ تو حدود جاری ہوسکتی ہیں اور نہ ہی یہ احکامات جاری ہوسکتے ہیں۔ اس غیر اسلامی نظام میں جبکہ مملکت کے حکام، سیاسی لیڈرز ایم، این، اے وغیرہ لٹیرے ہوں اور عوام کے حقوق اور ان کی روزی غصب کر رہے ہوں، عوام روٹی کو ترس رہے ہوں۔ اس حال میں چور کا ہاتھ کاٹنے کا حکم کیسے جاری ہوسکتا ہے۔ زیر نظر معاملہ میں بھی مملکت ہی ایسا شعبہ قائم کرے گی جو عورتوں کی ''سرکشی'' کے کیس کی سماعت کر کے، ان کو مناسب سزا دے گی۔

سانحہ ارتحال

انتہائی دکھ وافسوس سے عرض ہے کہ بزم مینگورہ سوات کے ایک دیرینہ اور فعال کارکن خیر گل استاد ساکن ڈھیرے کانجو طویل علالت کے بعد وفات پا گئے۔ مرحوم ایک انتہائی مخلص، نڈر اور خدمت گار انسان تھے۔ وہ تحریک کے ہراول دستے کے سپاہی تھے اور ہر کام و پروگرام میں پیش پیش رہتے تھے۔

مرحوم ومغفور کی جدائی بزم طلوع اسلام سوات کے لئے ایک ناقابل تلافی نقصان ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں بلند مقام عطاء فرمائے اور ورثا کو صبر جمیل عطاء فرمائے۔ ادارہ ان کے غم میں برابر کا شریک ہے۔

چیئرمین ادارہ و خورشید انور نمائندہ بزم طلوع اسلام مینگورہ، وائس چیئرمین ادارہ طلوع اسلام

فریحہ ادریس
Twitter@fereeha

تحفظِ خواتین بل کا: ہنگامہ ہے کیوں برپا

پنجاب اسمبلی نے خواتین کو گھریلو تشدد اور معاشی استحصال سے تحفظ دینے کا قانون کیا منظور کیا، پاکستان میں ایک مخصوص حلقے کی جانب سے مخالفت کا طوفان برپا کر دیا گیا ہے۔ افسوس کا مقام ہے کہ یہ مخالفت اسلام کے نام پر کی جا رہی ہے، اسے قرآن و سنت کے خلاف قرار دیا جا رہا ہے۔ اسے خاندانی نظام کی تباہی کہا جا رہا ہے۔ یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے کہ عورتوں پر تشدد کرنے والے کسی شخص کے خلاف اگر قانون بنایا گیا ہے تو کچھ لوگوں کو اس سے خوف کیوں آ رہا ہے؟ عورتوں کو تحفظ دینا اور انہیں تشدد سے بچانا خلاف اسلام کیسے ہو گیا؟ اس قانون کی زد میں تو وہی شخص آئے گا جو کسی عورت کو تشدد کا نشانہ بنائے گا اور اس کے خلاف شکایت درج کی جائے گی پھر الزام ثابت ہو گا تو اسے سزا ملے گی۔ اس سارے عمل میں کون سی چیز ہے جو خلاف شرع اور خلاف آئین ہے؟ بدقسمتی سے ہمارے معاشرے میں لوگ خواتین کے معاملے میں بہت خوش فہمی کا شکار ہیں اور یہ اخذ کر لیا گیا ہے کہ ملک میں خواتین کو تمام حقوق حاصل ہیں اور خواتین پر ظلم و ستم کی داستانیں چند این جی اوز اور مغرب زدہ خواتین نے گھڑی ہوئی ہیں۔ کاش ایسا ہی ہوتا مگر حقائق بہت ہی تلخ ہیں، سندھ، بلوچستان اور خیبر پختونخواہ کے مقابلے میں پنجاب نسبتاً زیادہ ماڈرن صوبہ سمجھا جاتا ہے، اسی صوبے کے صرف نوے دن کے اعداد و شمار پر ایک نگاہ ڈالتے ہیں۔ پنجاب میں گزشتہ سال کے پہلے تین ماہ میں خواتین پر تشدد کے 1400 واقعات رپورٹ ہوئے، خواتین کے خلاف تشدد کے سب سے زیادہ کیسز ضلع فیصل آباد میں ہوئے جن کی تعداد 282 تھی، جبکہ لاہور خواتین پر تشدد میں دوسرے نمبر پر رہا۔ تین ماہ میں اغواء کے 378 کیس رپورٹ ہوئے۔ جنسی زیادتی کے 265، قتل کے 207، خودکشی کے 110 واقعات، غیرت کے نام پر قتل کے 67 کیسز سامنے آئے جب کہ خواتین کو ونی کرنے کے 7 کیسز اور تیزاب پھینکنے کے 16 واقعات رپورٹ ہوئے۔ یہ صرف وہ واقعات ہیں جو رپورٹ ہوئے، ورنہ ہم سب جانتے ہیں کہ، گھریلو تشدد کے اسی فیصد واقعات تو رپورٹ ہی نہیں کئے جاتے، اور ذہنی تشدد تو کسی شمار میں ہی نہیں آتا۔

اسی اسلامی جمہوریہ پاکستان میں سال 2008ء میں بلوچستان کے علاقے نصیر آباد میں پانچ خواتین کو زندہ دفن کر دیا گیا اور حکمران جماعت پیپلز پارٹی کے ایک سینیٹر نے ایوان میں فرمایا تھا کہ علاقے کے لوگوں نے قبائلی روایات

کو مدنظر رکھتے ہوئے پانچ عورتوں کو زندہ دفن کیا ہے اس لیے اس معاملے کو نہ اچھالا جائے اور پھر واقعی کی کسی نے بھی نہ اچھالا اور ان پانچ مظلوم عورتوں کا خون بھلا دیا گیا۔ پاکستان میں خواتین کے معاملے کے دو پہلو ہیں ایک قوانین دوسرا معاشرے کا رویہ، جب تک رویہ نہیں بدلے گا قانون سازی بھی مؤثر ثابت نہیں ہوگی، جہاں خواتین کو روایت کے نام پر قتل کرنے کا اعتراف بڑے دھڑلے سے قانون ساز ادارے کے ایوان میں کیا جا رہا ہو وہاں قانون بھلا کیا کرلے گا؟ پاکستان میں خواتین کے متعلق یہ رویہ اس لیے پروان چڑھا ہے کہ اعلیٰ حلقوں میں بیٹھے ہوئے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ عورت صرف میری بیوی، بہن یا گھر کی دیگر خواتین ہیں، چونکہ ان سب کو کوئی مسئلہ درپیش نہیں اس طرح معاشرے میں باقی تمام عورتیں بھی آرام سے چین کی زندگی گزار رہی ہیں، کاش کبھی یہ لوگ اس سے آگے بھی سوچ سکیں، کبھی اپنے گھر کام کرنے والی ملازمہ، اپنے دفتر کے استقبالیہ پر بیٹھنے والی ریسپشنسٹ، کسی ائیر ہوسٹس، کسی کارخانے میں دس گھنٹے کام کر کے پندرہ ہزار روپیہ ماہوار کمانے والی لڑکی یا بھٹے پر مزدوری کرنے والی کسی عورت سے بات کر کے دیکھیں تو انہیں علم ہوگا کہ ان کی زندگی کس طرح گزر رہی ہے اور ان کے مسائل ہیں کیا؟ اسی رویے کی وجہ سے پورے معاشرے میں عورتوں کی حالت زار کے متعلق ایک مسلسل انکار کا رجحان دکھائی دیتا ہے۔ یہ تسلیم ہی نہیں کیا جاتا کہ خواتین کی بہت بڑی تعداد اس معاشرے میں برابر کی حیثیت کے بجائے صرف پاؤں کی جوتی اور ذاتی جاگیر سمجھی جاتی ہے جس کے ساتھ جو چاہے کیا جا سکتا ہے۔ یہاں مجھے کراچی کی تین سال کی معصوم ثناء یاد آ رہی ہے۔ جس کے ساتھ دو پولیس والوں نے زیادتی کی اور اسے قتل کر کے ایک گٹر میں پھینک دیا۔ پہلے تو پولیس والے اپنے پیٹی بھائیوں کے خلاف کیس کو درج کرنے سے ہی انکار کرتے رہے۔ جب معاملہ میڈیا پر آیا اور پیپلز پارٹی کی رہنما شرمیلا فاروقی نے اس کیس میں ذاتی دلچسپی لی تو رپورٹ درج ہوئی، مگر پھر بھی پولیس نے پوری کوشش کی کہ مجرموں کو سزا نہ مل سکے مگر جس چیز نے مجھے سب سے زیادہ صدمہ پہنچایا وہ عدالت کے جج کا رویہ تھا جو یہ کہہ رہے تھے کہ تین سال کی بچی کے ساتھ تو زیادتی ہو ہی نہیں سکتی، جب منصف ہی پہلے سے فیصلہ تیار کئے بیٹھا ہو تو پھر انصاف کیسے مل سکتا ہے۔ بعد میں یہ کیس انسداد دہشت گردی کی عدالت میں منتقل ہوا اور وہاں یہ گھناؤنا جرم ثابت ہو گیا اور مجرموں کو سزائے موت سنائی گئی۔

تحفظ خواتین بل کے بارے میں یہ بھی کہا جا رہا ہے کہ اس سے خاندانی نظام ٹوٹ جائے گا، مگر کون سا خاندان ٹوٹنے کا خطرہ ہے؟ وہ خاندان یا گھر جو صرف اس لئے قائم ہے کہ وہاں بیوی پر تشدد کیا جاتا ہے اور اسے زبردستی گھر میں رکھا گیا ہے؟ گھر آباد رہنا چاہئے مگر عورت کو بے عزت کر کے اس پر ظالمانہ تشدد کر کے گھر آباد نہ کیا جائے۔ اس بل سے اسلام خطرے میں کیسے پڑ گیا؟ اسلام تو وہ ہے کہ جب ایک بیٹی نے راجہ داہر کے ظلم کے خلاف فریاد کی تو

خلیفہ نے محمد بن قاسم کو لشکر کے ساتھ سندھ پر حملہ آور ہونے کا حکم دیا۔ مگر آج لاکھوں بیٹیوں کے ساتھ ظلم پر کسی کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی، بیٹیوں کی ناک کاٹ دی جاتی ہے، منہ پر تیزاب پھینک دیا جاتا ہے، گینگ ریپ کا نشانہ بنتی ہے، جہیز نہ لانے پر جلا دیا جاتا ہے، اور جو کوئی آواز اٹھائے تو اسے مغرب کا نمائندہ قرار دے دیا جاتا ہے۔ پاکستان میں خواتین کے حوالے سے ہر چیز خراب نہیں بہت سی اچھی چیزیں بھی ہیں جن کا اعتراف نہ کرنا زیادتی ہوگی اور ان میں سے کچھ چیزیں تو ایسی ہیں کہ جو میرے لیے حیران کن بھی تھیں، عمومی طور پر خواتین کے حوالے سے کراچی یا لاہور کو ماڈرن سمجھا جاتا ہے جہاں بڑے پیمانے پر خواتین میدان عمل میں بھی ہیں اور اس کے مقابلہ میں خیبر پختونخواہ کو بہت زیادہ قدامت پسند اور ایک راویتی معاشرہ سمجھا جاتا ہے جہاں خواتین پابندیوں کا شکار ہیں، مگر جب کبھی مجھے عوام کے ساتھ باہر پروگرام کی ریکارڈنگ کرنی پڑی تو لاہور اور کراچی کے مقابلے میں خیبر پختونخواہ کے لوگوں کا رویہ میرے ساتھ نہایت احترام کن تھا اور عام افراد نے میرے ساتھ بہت تعاون کیا۔ اس کی وجہ وہاں کی معاشرتی تربیت ہے جس کا عکس خواتین کے ساتھ ان کے رویئے میں جھلکتا ہے۔ تحفظ خواتین بل پیش ہونے سے کچھ لوگوں کے چہروں پر پڑے ہوئے نقاب بھی اتر رہے ہیں، ان کے دلوں میں خواتین سے متعلق چھپا ہوا رویہ سامنے آ گیا ہے کیونکہ یہ بل خواتین پر ہونے والے تشدد کو روکنے کے لیے ہے اس بل سے وہی ڈرے گا جو خواتین پر تشدد کرنے میں یا تو ملوث ہے یا پھر اسے درست سمجھتا ہے۔ (بشکریہ روزنامہ نوائے وقت)

اہم التماس

جن محترم قارئین طلوع اسلام کا سالانہ چندہ دسمبر 2015ء میں ختم ہو چکا ہے ان سے التماس ہے کہ وہ نئے نرخ نامہ کے مطابق، جو کہ اس شمارہ میں شامل ہے، ادارہ کے بینک اکاؤنٹ میں بذریعہ آن لائن یا بینک ڈرافٹ یا منی آرڈر منتقل کر دیں۔ چیک کی صورت میں اگر بینک لاہور سے باہر کا ہے تو سالانہ زرشرکت میں 200 روپے کا اضافہ فرمالیں جو کہ بینک سروس چارجز کے طور پر وصول کرتا ہے۔ ادارہ کے بینک اکاؤنٹ سے متعلق تفصیلی معلومات اندر کے سرورق پر درج ہیں۔ آپ کے اس تعاون سے ادارہ کا یہ واحد آرگن جاری وساری ہے۔ شکریہ

چیئرمین ادارہ

پروفیسر ڈاکٹر زاہدہ درانی
ایگزیکٹو ہیڈ طلوعِ اسلام ٹرسٹ، (لاہور)

شمیم انور۔۔۔ کچھ یادیں، کچھ باتیں

21 فروری 2016ء بروز اتوار ادارہ طلوع اسلام میں بزمِ طلوع اسلام خواتین، لاہور کے زیر اہتمام محترمہ شمیم انور صاحبہ کے سانحہ اُرتحال کے سلسلہ میں محترمہ ڈاکٹر پروفیسر صالحہ نغمی صاحبہ کی زیر نظامت ایک تعزیتی تقریب منعقد کی گئی۔ جس میں محترمہ ڈاکٹر زاہدہ درانی صاحبہ، محترمہ مسرت چغتائی صاحبہ، محترم ڈاکٹر فرید الدین احمد صاحب، محترم حسین قیصرانی صاحب اور محترم محمد اشرف صاحب نے اظہارِ خیال کیا جبکہ محترمہ صائمہ حمید صاحبہ کا لکھا ہوا مضمون ان کی بہن محترمہ فوزیہ ملک صاحبہ نے اور معروف دفاعی تجزیہ نگار محترمہ ڈاکٹر عائشہ صدیقہ کا اخبار میں مطبوعہ کالم محترمہ ڈاکٹر پروفیسر صالحہ نغمی صاحبہ نے پڑھ کر سُنایا۔ ذیل میں محترمہ ڈاکٹر زاہدہ درانی صاحبہ کی تقریر آپ ملاحظہ فرمائیں گے جبکہ اشرف مشتاق صاحب اور صائمہ حمید صاحبہ کی تقاریر حصہ انگریزی میں شاملِ اشاعت ہیں۔ مدیر

شمیم انور سے میرا تعارف کوئی نصف صدی قبل ہوا اور وقت کے ساتھ ساتھ اِس تعلق میں وسعت آتی گئی۔ سالوں پہلے جب میں نے باباجی یعنی علامہ پرویز صاحب کے ہفتہ واری درس میں شامل ہونا شروع کیا تو شمیم انور کو بھی اکثر موجود پایا۔ میں کمرے میں بیٹھ کر درس سنتی اور اُن کا تو انداز ہی مختلف تھا سو وہ عام پنڈال میں بیٹھنا پسند کرتیں۔

میں اُن چند لوگوں میں شامل ہوں کہ جنہیں باباجی سے ذاتی طور پر قرآن پڑھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ شمیم انور بھی پرویز صاحب کے براہِ راست شاگردوں میں شامل تھیں۔ اُس زمانے میں یہ گھر اپنا گھر لگتا تھا۔ جب ذرا سا وقت میسر آیا '25 بی گلبرگ' پہنچ گئے۔ اکثر دیکھا کہ شمیم انور بھی وہاں موجود ہیں۔ مختلف موضوعات پر سوالات ہوتے اور باباجی نہایت شفقت اور تحمل سے ہمارے سوالات کے جواب دیتے۔ ہماری اِس گھر میں آمدورفت ایسے تھی کہ جیسے باباجی کی بیٹیاں اور فیملی ممبرز ہوں۔

حقیقت یہ ہے کہ درس سننے کے لئے آنے والی تمام خواتین۔۔ چاہے وہ جوان تھیں یا عمر رسیدہ۔۔ باباجی کی بیٹیاں ہی تھیں۔ وہ ہم سب کو بہت اہمیت دیتے تھے۔ شمیم کو سہولت تھی کہ اس کا گھر نزدیک تھا بالکل چند قدم کے فاصلے پر۔۔ بس سڑک کے اُس پار۔ اِدھر دماغ میں کوئی سوال اُبھرا اُدھر وہ اِدارہ پہنچ گئیں۔ یہ بہت بڑی سہولت تھی اور اُنہوں نے اِس کا بخوبی فائدہ اُٹھایا۔

بابا جی سے شمیم کی پہلی ملاقات دلچسپ تھی۔ پرویز صاحب کی شمیم کے والد سے دوستداری کے تعلقات تھے۔ کسی تقریب کے سلسلہ میں پرویز صاحب اُن کے گھر مدعو تھے۔ والد صاحب نے شمیم کو جب بتایا کہ علامہ پرویز آئے ہیں، اُن سے سلام کرلو۔ شمیم بتاتی تھیں کہ میں نے انکار کردیا کہ میں نے کسی مولوی سے بالکل نہیں ملنا۔ شمیم کو مولویوں کے رویوں اور خواتین سے متعلق اُن کے نظریات سے شکایت تھی۔ والد صاحب کے اصرار پر جب ملاقات ہوئی تو پرویز صاحب کی مدلل باتوں سے اُن کی کایا کلپ ہوگئی۔ اِسلام اور قرآن کی علیٰ وجہ البصیرت اہمیت کا احساس ہوا تو یہ اُن کی زندگی کا نصب العین بن گیا۔ وہ تاریخ کی اُستاد تھیں۔ پرویز صاحب سے پاکستان کی تخلیق اور اہمیت پر بھی اُن کے خوب مباحثے ہوئے۔ جب بات سمجھ آگئی تو سرسید احمد خان، علامہ اقبال، قائداعظم محمد علی جناح اور پاکستان سے اُن کی وابستگی عشق کی حد تک ہوگئی۔ انہوں نے اِن موضوعات کو اپنی تحریروں اور تقاریر کا موضوع بنالیا۔ جو بعدازاں درج ذیل کتابوں کی شکل اختیار کرگئے:

1۔ Sir Sayed Ahmed Khan as an Educationist
2۔ The Pakistan Idea
3۔ Women Recreated
4۔ Loud Thinking

کینیڈا کی مشہور یونیورسٹی McGill سے اُنہوں نے تاریخ میں ڈگری لی۔ بعدازاں پاکستان واپس آکر کنیئرڈ کالج لاہور میں تدریس کا آغاز کیا۔ اُن کی شاگردوں میں پاکستان کی مایۂ ناز شخصیات شامل ہیں۔ مشہور دفاعی تجزیہ نگار ڈاکٹر عائشہ صدیقہ اپنے کالم میں شمیم انور کی یادیں تازہ کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

''وہ یقیناً جدید نظریات رکھنے والی خاتون تھیں۔ طالبات کی حوصلہ افزائی کرتیں تاکہ وہ اپنی آزادی کو محسوس کریں اور سمجھاتیں کہ آزادی صرف جسمانی نہیں، فکری ہوتی ہے۔ مس انور نے جدت پسندی کو اپنایا تھا، خاص طور پر سیاسی طور پر، اور اسی پیرائے میں سرسید احمد خان، محمد علی جناح اور سر محمد اقبال کی وضاحت کرتیں۔ یہ تینوں عظیم شخصیات اُنہیں بہت پسند تھیں۔ وہ میری اُس وقت ٹیچر تھیں جب 1980ء کی دہائی میں نظریۂ پاکستان تبدیلی کے عمل سے گزرتا ہوا ایک مختلف سمت اختیار کررہا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ چند تاریخ کے دیگر اساتذہ قومی سلامتی کو جواز بنا کر مس انور کے بارے میں چوکنے رہتے۔ ایسا لگتا جیسے وہ نظریۂ پاکستان کے ساتھ والہانہ لگاؤ اور جذباتی تعلق رکھتی ہیں۔ بعض اوقات ہم نجی ملاقاتوں میں ازراہِ مذاق ایک دوسرے سے کہتے کہ اگر آج مسٹر جناح حیات ہوتے تو مس انور اُن پر اس طرح فریفتہ ہوتیں جیسے نوجوان لڑکیاں دھماکہ خیز فلمی ہیروز پر۔'' (ایک نابغہ رُوزگار کی رحلت)

شمیم انور کی زندگی سادگی کا عمدہ نمونہ تھی۔ زیور، میک اپ یا خواتین کی روایتی دلچسپیوں سے وہ مبرا تھیں۔ گھر کے اندر کا اندازِ زیست بھی اِنتہائی سادہ تھا۔ اُن کے کمرے میں صرف ضرورت کی چند اشیاء موجود ہوتیں اور باقی ہر طرف کتابیں یا فیملی

کی تصاویر۔ یہ ان کی کل کائنات تھی۔

ان کی زندگی کا مشن تھا علم حاصل کرتے رہنا اور اُسے دوسروں تک پہنچانا۔ اِس مقصدِ عظیم کے لیے انہوں نے اپنی زندگی وقف کردی۔ ضرورت مند بچوں کی تعلیم و تربیت کی اور انہیں اچھے مقام تک پہنچایا۔ بلاشبہ اُنہوں نے کئی لوگوں کی سوچ کا دھارا بدلا اور بہت ساروں کی زندگی تبدیل کردی۔

شمیم انور پُرخلوص مزاج کی مالک تھیں۔ جب بھی ملنے جانا ہوتا تھا، اٹھنے پر ہمیشہ کہتی تھیں کہ نہ جاؤ۔ پھر کب آؤ گی؟ جلدی آنا۔ اُن کے یہ الفاظ کانوں میں گونجتے ہیں۔ وہ ہر ایک سے اِسی طرح ملتی تھیں۔

ان کے درجات اس دنیا میں بھی بلند تھے اور اگلے جہان میں بھی ضرور بلند ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام سے نوازے۔ آمین۔

معزز صارف!

محکمہ ڈاک 1892ء سے لیکر آج تک اس خطے میں آپ کی خدمت کے لئے کوشاں ہے۔ ماضی میں ہر مشکل وقت میں محکمہ ڈاک نے عوام الناس کی بے پناہ خدمت کی ہے اور اُسی جذبہ کو برقرار رکھتے ہوئے ہم آپ کی مزید خدمت کرنا چاہتے ہیں موجودہ دور میں محکمہ ڈاک کو بڑے چیلنجز کا سامنا ہے۔ اس تناظر میں محکمہ ڈاک نے آپ کی خدمت کے لیے اپنا دائرہ کار وسیع کیا ہے۔ اب آپ:

- بجلی، گیس، پانی اور ٹیلی فون کے بل اپنے قریب ترین ڈاکخانہ میں جمع کرا سکتے ہیں۔
- اپنے پیاروں کے بیرونِ ملک سے بھیجے گئے پیسے ویسٹرن یونین کے ذریعے مقرر کردہ ڈاکخانوں سے وصول کیے جاسکتے ہیں۔
- رقم کی منتقلی اب برقی اور فلیکس منی آرڈر کے ذریعے فوری طور پر ممکن ہے۔
- ارجنٹ میل سروس کے ذریعے اپنی ڈاک پورے ملک میں پہنچائیں۔
- وی۔ پی۔ پارسل/ لیٹر کے ذریعے اپنے کاروبار کو مزید مستحکم کرسکتے ہیں۔
- اپنی پوری عمر کی جمع پونجی اور بچت قریب ترین ڈاکخانے میں سیونگ بنک میں جمع کرواسکتے ہیں۔
- آپ سے التماس ہے کہ آپ قریب ترین ڈاکخانہ میں تشریف لا کر خدمت کا موقع دیں۔

شکایات کے ازالے کے لیے مندرجہ ذیل فون نمبرز پر صبح 09:00 بجے سے شام 08:00 بجے تک رابطہ کرسکتے ہیں۔

Ph:042-99210971, 042-99239794 Cell:0321-6772525, 0335-6161400
Fax: 042-99211323 Email: ccpmgpunjab@yahoo.com

نوٹ: یہ اشتہار محکمہ ڈاک پنجاب کی طرف سے دیا جارہا ہے۔

آپ کے تعاون کے لیے شکر گزار محکمہ ڈاک

ڈاکٹر انعام الحق، اسلام آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب المراسلات

(سوال) بیرونِ مُلک تعلیم حاصل کرنے والے ایک طالب علم نے سوال پوچھا ہے کہ جب کبھی بھی دین کی بات ہوتی ہے تو اکثر اُس سے سوال کیا جاتا ہے کہ:

علم کی حقیقت (الحق) جاننے کے لئے انسان کو عقل ودیعت کیا گیا ہے تو اللہ نے پھر ہمارے لئے Divine بمعنی الہیاتی وحی کے علم سے بھی راہنمائی حاصل کرنے کی دین میں ضرورت کیوں لازم سمجھی ہے؟

(جواب) حقیقت کی تلاش کے لئے با قاعدہ عقلی روش میں فلسفہ کے علم کی رو سے علم وخرد کے ذریعہ سے الحق کے فہم کا دائرہ مختصر اور محدود ہے۔ اس کے لئے عصرِ حاضر میں عام طور پر انسانی عقل پر انحصار کیا جاتا ہے، جس سے پورے حق یعنی الحق کی تلاش ہو نہیں پا رہی۔ الحق کے علم کی اہمیت کے اندازہ کا آغاز قرآن کی روشنی میں الحق کے مفہوم کو سمجھ کر بھی لگایا جاسکتا ہے۔

الحق کا مفہوم:

حق کے لغوی اور اصطلاحی معانی ہیں کسی چیز کا اس طرح موجود ہو جانا، واقع ہو جانا اور ثابت ہو جانا کہ اس کے واقع ہونے پر اس کے وجود سے انکار نہ کیا جا سکے۔ کسی شے کا موجود ہونا اسی وقت ثابت ہوگا، جب شے کا ہمارے حواس احاطہ کر لیں، یعنی شے ٹھوس شکل اختیار کر لے۔ چنانچہ تحقیق کے معنی ہیں کپڑے کو نہایت مضبوطی کے ساتھ تعمیری انداز میں بننا۔ نیز ہر اُس موجود چیز کو حق کہتے ہیں، جو حکمت کے تقاضوں کے مطابق ہو۔

مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ (4:157)

وہ (حقیقی) علم نہیں رکھتے بلکہ ظنّ کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔

صِرف عقل سے لئے گئے نتیجہ میں حتمی طور پر الحق کا ادراک نہیں ہوسکتا۔ راغب نے اِس ضِمن میں وضاحت کی ہے کہ جب کسی حقیقت کے متعلق پورا یقین نہ ہو تو اُس کے دو پہلو ہوتے ہیں۔

① انسان کبھی حقیقت کی طرف مائل ہوتا ہے اور

② کبھی اس سے دور ہٹ جاتا ہے۔

اس لحاظ سے اس علم کے دونوں پہلوؤں کو ظنّ کہتے ہیں۔

ایسے ظن کی شکل لئے ہوا علم حقیقت کے فہم میں معاون ثابت نہیں ہوتا۔

اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِىْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ؕ (10:36)

ظن، حق کے مقابلہ میں کچھ کام نہیں دیتا۔

اس لئے اتباع، حق کی کرنی چاہیے ظن کی نہیں۔ دین یکسر حق ہے اس میں ظن کے لئے کوئی گنجائش نہیں۔ دوسرے مقام پر اللہ نے خود وحی کے ذریعے علم کو الحق کہہ کر پکارا ہے۔

اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ (10:30)

اللہ خود اپنے قوانین کے ذریعے حق ہے۔

ایک اور جگہ فرمایا کہ:

اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ (3:86)

اس کا رسول حق ہے۔

دیگر جگہ پہ ہے کہ:

اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ هُوَ الْحَقَّ ۙ (34:6)

اس کی طرف سے بھیجا ہوا قرآن حق ہے۔

سورہ یونس میں ہے کہ:

اَلَآ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ (10:55)

اللہ کے وعدے (قوانین) حق ہیں۔

دین اسلام کے بارے میں کہا کہ:

دِيْنِ الْحَقِّ (9:33)

اس کا دین حق ہے۔

کائنات کے بارے میں کہا کہ:

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ (64:3)

یہ کائنات بالحق پیدا کی گئی ہے۔

چونکہ حق، ظن وشکوک سے بلند ہوتا ہے اور وہ ایک ٹھوس تعمیری واقعہ کی شکل میں سامنے موجود ہوتا ہے، اس لئے ظہور نتائج کو بھی اَلْحَاقَّۃُ (69:1) کہا گیا ہے۔

حق کوئی ذہنی، نظری، تصوراتی یا محض عقیدے کی چیز نہیں ہے۔ اس دنیا سے متعلق کوئی عقیدہ حق نہیں کہلا سکتا، جب تک اس کے تعمیری نتائج ایک ٹھوس حقیقت بن کر سامنے نہ آ جائیں۔

جیسا کہ بتایا گیا ہے حق کوئی ذہنی، نظری، تصوراتی یا محض عقیدہ کی چیز نہیں۔ یہ عقائد اور نظریات کے تعمیری نتائج کا نام ہے، جو ٹھوس شکل میں سامنے آ جائیں اور اپنی صداقتوں کے لئے خارجی دلائل کے محتاج نہ ہوں۔ اِس دنیا سے متعلق کوئی عقیدہ حق ثابت نہیں کہلا سکتا، جب تک اِس کے تعمیری نتائج ایک ٹھوس حقیقت بن کر سامنے نہ آ جائیں۔ اِس کے بالمقابل فرد کا صِرف عقل سے حاصل کیا ہوا علم باطل اور ظنّ کہلاتا ہے اور اس کے بنیادی معنی کسی چیز کا جاتے رہنا ہوتے ہیں۔ جب کسی چیز کو کسوٹی پر پرکھا جائے، اور وہ اُس پر پوری نہ اُترے تو اُسے باطل کہتے ہیں۔ قرآن میں ہے کہ:

وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا (17:81)

حق آ گیا ہے اور باطل تباہ ہو گیا۔ باطل ہوتا ہی تباہ ہونے والا ہے۔

باطل کہتے ہی اُسے ہیں، جو باقی رہنے والا نہ ہو۔ وہ اُس وقت تک باقی رہتا ہے، جب تک میدان میں حق نہیں آتا۔

آپ نے صحیح فرمایا ہے کہ الحق کے علم کی تلاش میں ہمیں عقل کی قوت ودیعت کی گئی ہے، لیکن یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ کافی ہے؟

اِس کا جواب تو نوعِ انسانی ابھی تک ڈھونڈ رہی ہے اور ڈھونڈتی رہے گی لیکن قرآن عقل کے علاوہ حقیقت کے سمجھنے کے لئے اِس میں اللہ کی طرف سے قیامت تک کے لئے قرآن میں محفوظ اللہ کے کلام سے استفادہ کرنے کو بھی لازم قرار دیتا ہے۔ اس کی ضرورت محسوس ہونے کی مُختصر سی تفصیل یوں بیان کی جاسکتی ہے۔

عقل محض کا دائرہ:

سب سے پہلے ہمیں اس بات کو متعین کرنا پڑے گا کہ الحق کے نظریہ کی بنیاد کیا ہے؟ وہ کیا معیار ہے جس کے مطلوبہ نتائج سامنے آنے پر اُس نظریہ کو حق کا درجہ دیا جائے۔؟

نوع انسانی بھی اپنی عقل وفہم سے قرآن کے متعین کردہ معیار کے فِکری طور پر قریب آتی نظر آ رہی ہے کہ الحق اجتماعی مفاد میں مُضمِر ہے۔

قرآن نے اِس کی طرف ہماری راہنمائی کرتے ہوئے اس امر کے مُطلق معیار کی طرف بقاء وارتقاء کے نتائج کے حامل کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا کہ:

وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ ؕ (13:17)

دنیا میں بقاء اس عمل کے لیے ہے جو تمام نوع انسان کے لیے نفع بخش ہو۔

1۔ جو چیز (نظام یا نظریہ) انفرادی جبلی تقاضوں کے تحت گروہ بندانہ مفاد پر مبنی ہوتی ہے وہ مٹ جاتی ہے اور

2۔ جس نظام کا مطمحِ نگاہ نوع انسانی کی منفعت ہوتا ہے، وہ باقی رہ جاتا ہے۔

3۔ کائنات کا ثبات اور بقاء کے لئے یہی اصول کُلّی ہے، جو انفرادی مفاد خویش کی بجائے، کلی انسانیت کے مفاد کا حامل وہ محور ہے جس کی تلاش کرنے ہی میں انسانی علم کی بنیاد استوار کی گئی ہے۔

اس ضمن میں برگسان کہتا ہے کہ عقل تنہا اقدار کا حقیقی علم دینے میں ناکام رہتی ہے۔

انسان تنہا عقل کی روشنی میں صرف اور صرف اپنا ذاتی مفاد دیکھتا ہے اور صحیح راہ پر چل ہی نہیں سکتا۔ جب بھی اجتماعی مفاد کی بات ہوگی تو عقل اسے کسی دوسرے راستہ پر ڈال دے گی۔ عقل اپنے ایک خاص مقصد کے لیے پیدا کی گئی ہے۔ جب ہم اسے اس مقصد سے بلند مقاصد کی طرف لے جانا چاہتے ہیں تو وہ اس بلند سطح کے متعلق ممکنات کا سراغ دے سکے تو شاید ورنہ وہ حقیقت کا پتہ تو کسی صورت میں دریافت ہی نہیں کرسکتی۔

عصرِ حاضر میں اس مقصد کی جانب انسانی فکر کا سفر جاری وساری ہے لیکن عقل کا طریقہ تجرباتی ہوتا ہے۔ عقلی طریق یہ ہے کہ انسان ایک چیز کو اختیار کرتا ہے۔ اس پر مدتوں محنت کرتا ہے اور آخرالامر دیکھتا ہے کہ اس کا تجربہ ناکام رہا۔ وہ اسے چھوڑ دیتا ہے اور کوئی دوسری راہ اختیار کرتا ہے اور ایک مدت تک اس راہ پر چلتا ہے۔ اس طرح رفتہ رفتہ ناکام تجربوں اور خونریز لڑائیوں کے بعد وہ آخرالامر صحیح راستہ کے قریب جا پہنچتا ہے اور جب وہ اس راستہ پر پہنچتا ہے تو دیکھتا ہے کہ یہ وہی راہ تھی جس کی طرف خدا نے (وحی کے ذریعہ) رہنمائی کی تھی۔ اِس طرح وحی کی راہنمائی کے حصول کی تعریف میں علامہ اقبال نے اپنے مشہورِ زمانہ لیکچر میں فرمایا کہ:

It economises the human efforts.

اس کے علاوہ افلاطون کے الفاظ میں:

یہ (ارباب فکر) کچھ بنائیں گے۔ اسے پھر مٹائیں گے۔ یہی کچھ کرتے رہیں گے تا آنکہ وہ انسانی راستوں کو حتی الامکان، خدا کے راستوں سے ہم آہنگ کرلیں۔

اس کی وضاحت میں آئن سٹائن لکھتا ہے کہ:

سائنس (علم استدلالی) صرف یہ بتا سکتی ہے کہ "کیا ہے" وہ یہ نہیں بتا سکتی کہ "کیا ہونا چاہیے" اس لیے اقدار متعین کرنا اس کے دائرہ سے باہر ہے۔ اس کے برعکس مذہب کا کام یہ ہے کہ وہ انسانی فکر و عمل کے لیے معیار مقرر کرے......سائنس نہ تو اقدار متعین کر سکتی ہے اور نہ ہی انھیں انسانی سینے کے اندر داخل کر سکتی ہے۔ سائنس زیادہ سے زیادہ ایسے ذرائع فراہم کر سکتی ہے جن سے انسان مطلوبہ مقصد حاصل کر سکے۔

ذرائع علم:

عقل کے تناظر میں نظریۂ علم کے مُختلف زاویوں سے جانچ و پرکھ کرنے کے ماہرین کے ذرائع علم کے نکتہ نگاہ کا مُلخص یہ ہے کہ:

1۔ نظریہ تجربیت کا خیال ہے کہ ہمارے مشاہدات و تجربات ہی علم کا واحد ذریعہ ہیں لیکن

2۔ دوسرا نظریہ تصوریت کا گروہ کہتا ہے کہ علم کا ذریعہ استدلالی ہے جس سے مفہوم یہ ہے کہ ہمیں بعض اصولوں کو بطور مسلمات تسلیم کرنا پڑتا ہے اور پھر ان مسلمات کی روشنی میں، حواس کے ذریعہ حاصل شدہ معلومات سے نتائج اخذ کرنے ہوتے ہیں۔ جب تک ان مسلمات کو بطور معتقدات نہ مانا جائے سائنس کا علم آگے بڑھ ہی نہیں سکتا۔

دوسرے نظریہ تصوریت کے گروہ میں ایک گروہ:

3۔ ان مسلمات کو منطق کی رو سے ثابت کرتا ہے لیکن

4۔ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ یہ مسلمات ریاضی کی دنیا سے متعلق ہیں جنہیں انسانی نفس نے بغیر دلیل صحیح تسلیم کر رکھا ہے اور چونکہ تمام کائنات ان اصولوں پر پوری اترتی چلی جا رہی ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نفس انسانی اور کائنات کا سرچشمہ ایک ہی ہے۔

یہ سب کچھ مشہود کائنات کے متعلق ہے۔ باقی رہی غیب کی دنیا، اسکے متعلق سائنس کے پاس کوئی ذریعہ علم نہیں۔ ساری بحث کا مُلخّص یہ ہوا کہ:

5۔ غیب کی دنیا کے متعلق سائنس کے پاس کوئی ذریعہ معلومات نہیں اور

6۔ مشہود دنیا کے متعلق بھی جب تک ایسے مسلمات بطور اصول تسلیم نہ کیے جائیں جو تجربہ اور مشاہدہ کی پیداوار نہیں ہیں، یقینی معلومات حاصل کی ہی نہیں جا سکتیں۔ اِنہی وجوہات کی بنا پر راشڈل کی نظر میں حق کا مستقل اور مطلق معیار کا علم حاصل ہی نہیں ہو سکتا جب تک انسان بطور مسلمہ خدا کے وجود پر ایمان نہ لائے۔

مطلق معیار کے معنی یہ ہیں کہ زمانے کے تغیرات اور احوال وظروف کے تبدّلات اس پر کسی صورت سے بھی اثر انداز نہ ہوں۔ وہ زمان ومکان کی حدود سے بالا ہو اور اس کا معیار خود اس کی اپنی ذات ہو۔ اس قسم کی اقدار ذہن انسانی (محدود ہونے کی بنا پر) کی پیداوار نہیں ہوسکتیں خواہ وہ ذہن تمام حکمائے مغرب ہی کا کیوں نہ ہو۔

کانٹ نے بھی خیر کے معیار میں عقل نظری (عقلِ محض) پر انحصار کرنے کی بجائے عقل عملی کا سہارا لیتے ہوئے اسے بطور مسلمہ کے تناظر میں خدا کے وجود سے مشروط کر دیا ہے۔ اِنہی دلائل کی بِنا پر وحی کی ضرورت لاینفک ہوجاتی ہے۔

وحی بطور ذریعہ علم کی اہمیت:

قرآن کے مطالعے کی روشنی میں بتایا گیا ہے کہ:

اگر جذبات اور عقل کو وحی خداوندی (جواب مکمل شکل میں قرآن میں آخری پیغام کے طور پر محفوظ ہے) کی روشنی میں استعمال کیا جائے تو انسان اپنے حقیقی مقصد یعنی ذات کی نشوونما کی حقیقت تک رسائی حاصل کرسکتا ہے۔ اسے مختصر الفاظ میں یوں سمجھیے کہ:

1۔ عقل انسانی کی قیمت ایک ''قوت'' ہے جس طرح اس قوت کا استعمال کیا جائے، اسی نسبت سے اس کے نتائج مرتب ہوں گے۔

2۔ جب عقل انسانی (جذبات سے الگ ہوکر) خارجی کائنات کے رموز واسرار کی تحقیق وتفتیش کرتی ہے تو وہ اپنے تجرباتی طریق سے صحیح نتیجہ تک پہنچ جاتی ہے۔

3۔ لیکن انسان کے باہمی معاملات میں یہ عقل جب جذبات کے تابع چلتی ہے یعنی جب اس قوت کو انسان کے جذبات استعمال کرنے لگ جاتے ہیں تو دنیا میں عقول کی جنگ شروع ہوجاتی ہے۔ جس کا نتیجہ فساد فی الارض کی شکل میں سامنے آتا ہے۔

4۔ جذبات، انسانی عمل کے محرک ہوتے ہیں، اس لیے یہ بھی انسان کی بڑی متاع اور عظیم قوت ہیں، لیکن یہ قوت اس صورت میں تعمیری نتائج پیدا کرسکتی ہے جب اسے عقل پر غالب نہ آنے دیا جائے۔

5۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ عقل کو ان مستقل اقدار کا محافظ بنا دیا جائے جو انسان کو وحی کی رو سے ملتی ہیں۔ جب انسان جذبات سے الگ ہوکر علم وبصیرت کی رو سے غور وفکر کرے تو ان اقدار کی اہمیت ابھر کر سامنے آجاتی ہے اور یوں اس کی عقل ان کی حفاظت اور نگہداشت کو اپنا فریضہ قرار دیتی ہے۔

لہٰذا کہا جاسکتا ہے کہ جس طرح اندھیرے میں دیکھنے کے لئے آنکھ کو سورج کی روشنی کی ضرورت ہوتی ہے، اِسی طرح حقیقت کو دیکھنے کے لئے انسانی عقل کو وحی کی روشنی کی ضرورت ہوتی ہے۔

عقل انسانی کا اس طرح وحی کی روشنی میں فہم حاصل کر کے مستقل اقدار کی اہمیت کا قائل ہو جانا، ایمان کہلاتا ہے۔

6۔ یوں انسان کے جذبات اور اس کی عقل (دونوں عظیم قوتیں) ایمان کے معین کردہ نصب العین کے حصول کا ذریعہ بن جاتے ہیں اور اس طرح فطرت کے قوانین انسانیت کی تباہی کی بجائے ان کی تعمیر اور تہذیب کا موجب بنتے چلے جاتے ہیں۔

اِن وجوہات کی بِنا پر Divine Directions الٰہیاتی ہدایات الحق کو قرآن نے بطور انسانی بنیادی حق کا درجہ دیا ہے۔ اسی لیے اس فریضہ کی ادائیگی کو بطور اللہ کی ذمہ داری قرار دیا گیا ہے۔

1۔ قرآن کا بطور فریضہ الحق کے لوگوں کے سامنے پیش کرنا۔

قرآن میں اللہ کی ذمہ داریاں بتاتے ہوئے اِس امر کی بھی نشاندہی کی گئی ہے کہ

الَّذِیۡ خَلَقَ فَسَوّٰی ۪ۙ وَ الَّذِیۡ قَدَّرَ فَہَدٰی ۪ۙ (87:2-3)

خدا وہ ہے، جو ہر شے کی تخلیق کا آغاز کرتا ہے۔ پھر اُسے بنا سنوار کر، اس میں اعتدال پیدا کرتا ہے۔ پھر اِس کے لئے ایک قدر (اندازہ) مقرر کرتا ہے، اور ہدایت دیتا ہے (تا کہ شے قدر کے مطابق تکمیلی مراحل طے کر لے)۔

یہاں یہ وضاحت کرنا ضروری ہے کہ حق کی طرف ہدایت کا تعلق اور ذمہ خود خدا نے اپنے اوپر لے رکھا ہے۔ قرآن میں ہے کہ:

اِنَّ عَلَیۡنَا لَلۡہُدٰی (92:12)

یقیناً ہدایت دینا ہمارے ذمہ ہے۔

اس سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ انسان کے بنیادی حقوق میں شامل ہے کہ اس کے سامنے حق پیش کیا جائے تا کہ وہ اس کی آگاہی کے بعد اس پہ ایمان لانے یا نہ لانے کا اپنے اختیار سے انتخاب کر سکے۔ اس ضمن میں یہ جاننا ضروری ہے کہ کائنات کی ہر شے میں یہ ہدایت (راہنمائی) ہر شے کے اندر ودیعت کر کے رکھ دی جاتی ہے۔ ایسی صورت میں جہاں ہدایت ودیعت کی جائے تو وہ چیز اس ودیعت کردہ ہدایت کی پابند ہو جاتی ہے اور اِس لئے وہ اس کے مطابق چلنے پر مجبور ہوتی ہیں۔ اس کے بر عکس انسان چونکہ صاحبِ اختیار و ارادہ پیدا کیا گیا ہے، اس لئے حق کی طرف ہدایت اُس کے اندر ودیعت نہیں کی جاتی۔ یہ اُسے خارج سے وحی کے ذریعے رسول کی وساطت سے ملتی ہے اور اب ختمِ نبوت کے بعد اِسے قرآن میں محفوظ کر دیا گیا ہے۔ قرآن میں ان امور کی وضاحت ملتی ہے کہ:

ہُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَہٗ بِالۡہُدٰی (48:28)

وہ اللہ ہی ہے، جس نے اپنے رسولوں کو ہدایات کے ساتھ بھیجا۔

وہ رسول اللہ کی طرف سے وحی پا کر دونوں راستے لوگوں کو دِکھلا دیتا ہے۔

وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ (90:10)

ہم نے انسان کو دونوں راستے دکھا دیئے ہیں۔

مزید یہ وضاحت کہ اُن میں انتخاب کا حق بھی ہے کہ

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ (18:29)

ان سے کہہ دو کہ حق تمہارے رب کی طرف سے آ گیا ہے۔ اب جس کا جی چاہے اس پر ایمان لائے، اور جس کا جی چاہے اس سے کفر کرے۔

اللہ کی طرف سے وحی کے ذریعے الحق کے علم سے آگاہی ہونے سے۔ عقلِ انسانی کی اہمیت کو گھٹایا نہیں گیا، بلکہ اس کی اہمیت کو ایمان لانے کی شکل میں مزید اضافہ کر دیا گیا ہے۔

ایمان کا قرآنی تصور:

ایمان کے لغوی معنی ہیں کسی بات کی سچائی کو پورے سکون اور ذہن کے کامل اطمینان کے ساتھ تسلیم کر کے یقین کرنا۔ یہ علم و بصیرت کی بنا پر دلیل اور برہان کی رو سے دل اور دماغ کے پورے اطمینان کے بعد، کسی صداقت کو صحیح تسلیم کرنے کا نام ہے۔ اقبال کے مخصوص الفاظ میں:

خرد نے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

اِس کے برعکس ہم اپنی روزمرہ زبان میں ایمان کا ترجمہ عقیدہ کرتے ہیں۔ عقیدہ اور عقل وفکر باہمی طور پر ایک دوسرے کے اندر متضاد کیفیات لئے ہوتے ہیں۔ یعنی جہاں عقیدہ ہوگا، اِس میں دلیل و بُرہان اور بصیرت کا کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ ایمان عقل و بصیرت سے ہی حاصل ہوسکتا ہے۔ اس کی تائید قرآن سے ہمیں خود رسول کی زبانی ملتی ہے۔

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ (12:108)

ان سے کہو کہ میری راہ تو بالکل (صاف اور سیدھی) ہے اور وہ یہ کہ میں تمہیں خدا کی طرف دلائل و برہان کی رو سے علیٰ وجہ البصیرت دعوت دیتا ہوں۔ میں بھی ایسا کرتا ہوں اور جو میرے متبعین ہوں گے وہ بھی ایسا ہی کریں گے۔

اِس لئے قرآن نے مومنین کی یہ نشانی بھی بتائی ہے کہ:

وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا (25:73)

ان لوگوں (مومنین) کے سامنے جب قرآنی آیات بھی پیش کی جائیں، وہ انہیں اندھے بہرے بن کر اختیار نہیں کرتے۔ اِس کے برعکس وہ اسوہء رسول ﷺ کے مطابق غور وفکر اور بصیرت سے کام لیتے ہیں۔ اس روش کو اختیار کرنے والے اسوہء رسول ﷺ کی پیروی کرنے والے کہلاتے ہیں۔

استثنائی حالت:

ظاہر ہے کہ اگر حق انسان کے سامنے ہی نہ لایا جائے، یا اگر سامنے تو پیش کیا جائے، لیکن وہ اُسے سمجھنے کی صلاحیت ہی نہ رکھتا ہو، تو وہ حق کا انتخاب نہیں کر سکے گا۔ ایسی صورت میں اُسے ذمہ دار اور جوابدہ نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ دنیا میں ہر جگہ قانون میں یہ شرط رکھی گئی ہے کہ انسان معاہدہ کرتے وقت اُنہی شرائط کا ذمہ دار اور جوابدہ کہلاتا ہے، جب وہ آزادانہ طور پر انتخاب کی صلاحیت رکھتا ہو۔ اسی لئے نابالغ، مجنون ومخبوط الحواس، جبر واکراہ کے تحت معاہدہ کا متن سمجھنے سے معذور لوگ اپنے معاہدہ کے پابند، اور ذمہ دار نہیں ہوتے۔ معذور کی فہرست میں وہ لوگ بھی شامل ہیں، جو غیر اسلامی نظام میں زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں، وہ دنیا میں اِن حالات میں زندگی گزار رہے ہیں، جبکہ کہیں بھی اسلامی نظام قائم نہیں جہاں وہ ہجرت کر کے چلے جائیں۔ لیکن اِن کے لئے شرط ہے کہ وہ اس زندگی کو اسلامی زندگی سمجھ کر اپنے آپ کو تسلی نہیں دیتے بلکہ مانتے ہیں کہ اِس کے سوا سرِ دست چارہ نہیں۔ وہ اپنی طرف سے البتہ اسلامی نظام کی فکر کو عام کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اِس لئے قرآن اُنہیں معذور قرار دیتا ہے۔ قرآن بھی محاسبہ کے لئے اُنہی افراد کو ذمہ دار گردانتا ہے، جو حق کے سمجھنے کی اہلیت رکھتے ہوں اور حق اُن کے سامنے رکھا بھی جائے۔

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا (17:15)

اور ہم کسی پر عذاب یا تباہی لانے والے نہیں ہیں، جب تک اُن کی طرف پیغام نہ بھیجیں۔

یہ امر بھی ملحوظِ نگاہ رہنا چاہیئے کہ بطور فریضۂ رسالت محمد ﷺ نے نوعِ انسانی کے لئے الحق کے علم کی ہدایات کے لئے عملی طور پر نظام خداوندی کی تشکیل کی تھی۔ اس نظام خداوندی کو آگے چلانا اِس امّت کا فریضہ تھا۔ سمجھنے کے لئے اس فریضے کو فریضہ رسالت کہہ لیجیے، بلکہ تبلیغ رسالت کہیے، جسے امّت نے ادا کرنا تھا۔ محمد ﷺ پر ذمّہ داری تھی کہ جو کچھ نازل ہوا ہے اس کو انسانوں تک پہنچا دے۔ 5:67۔ اب آخری وحی کو انسانوں تک پہنچانا، اور اس کو نافذ العمل رکھنا، اُس کی امّت کی ذمّہ داری ہے۔

Addresses in Memory of Miss Shamim Anwar

1

Muhammad Ashraf

Today it is a very challenging task for me to reconcile with the fact that I speak in memory of my mentor and teacher, Madam Shamim Anwar, who played a leading role in upbringing and educating my siblings and myself. It also is very testing for me to imagine this Idra without her presence, and at the same time it is a bit of a challenge remembering her without the Idara as well. I was a little schoolboy in the late 1980s when she had me and my siblings, mainly Akbar, accompanied to this Idara. This little journey from 26 to 25 B, opened up our interaction with the scholarly circles and activities which the Tolu-e-Islam was once known for, especially in the decade of the 90s. She motivated us to study the Tolu-e-Islam literature and to attend the weekly Dars regularly. Her emphasis on this is best reflected in a piece of her advice to us, which is worth-mentioning here. She said: "This is my advice to you that you must keep attending the weekly Dars regularly. If you do this, mark my word, you will never be misled by anybody no matter where you may go in the world." The subsequent transformation in my life provoked within me the urge for a rational understanding of Islam and its practice, which appears to be an asset beyond measure.

Apart from this, endowed with discussions and study sessions on the themes such as history, philosophy and Islam, her house was no less than an epitome of one of the best educational institutes. A great number of books had transformed her house into almost a literal library. She encouraged us to read more and more. All of this cultivated in me the habit of reading books. The tremendous encouragement that I received from her added to this significantly. This is because emphasis on education was an integral theme in her writings. Her personal interest and efforts for supporting our education also reflect her immense enthusiasm for education.

She was not conscious of socioeconomic class identity and demonstrated equal level of comfort in her interaction with all and sundry. The importance of socioeconomic realities in our social set up was secondary to her. The element of idealism in her line of thinking remained prominent and is best demonstrated in her habit of placing trust readily in her fellow humans. All her endeavors were not without a reason. A high moral character and principles marked her personality traits, which influenced us heavily.

She lived a logical life staying on the edge of society, which is also reflected in her

intellectual and social contributions mainly on the themes about women emancipation and controversies emerging over partition among liberal and secular circles. The leftists and the liberals have mostly kept a distance from the stalwarts of Islam as a religion. Apart from educating hundreds and thousands of her students she had also been trying to bring the leftists and liberals close to Islam by contributing literature and debates on various themes by applying G. A. Perwez's theoretical line. This also incited criticism and rebuttals. She even refused to contribute articles in one of the leading newspapers upon sensing subjective policy. However, she came up with sustainable and overwhelming arguments, particularly she checked the critics of the creation of Pakistan in her matchless style. I quote a paragraph from one of her articles the *Pakistan Movement* as:

Pakistan came into existence on the world map fifty-four years ago, but its existence is being questioned not only by India but is part of a world-wide query. Why is this so even after the passage of more than half a century? After all, as a sequence to the withdrawal of political imperialism, innumerable states have emerged, so much so, that there are today almost 180 members of the UNO. For instance, nobody wonders as to why USA and Canada should be separate states. They belong to the same Greco-Roman civilizations, the same Christian background, the same racial and lingual affinities and the same colonial history. Europe itself split into innumerable states in spite of the commonality of Roman imperial dominance and as part and parcel of Christendom. The Arab world is indeed amazing! Belonging to the same geographical unit, the same Arabic language, the same Semitic race, the same historical events and heroes and the same religion, it is yet divided into a dozen states. But when it comes to Pakistan, the protest or query rings out reverberating across the frontiers, so much so, that several individuals and intellectuals within the frontiers also join the chorus.

This is of course self-explanatory. The serious problem in scholarship of Pakistan and abroad that she identified is that scholars have failed to conceptualize Islam as Deen and she keenly wanted serious efforts to be made in this direction. This of course forms the only one aspect of her contributions, which cannot be even summarized in as little time as 10 minutes. She made tremendous contributions to create **constructive impact** in this social setup, and she suffered alienation and setbacks in the same social setup during the last years of her life. It is a point to wonder as to whether any individual or section of people from this society would ever be able to acquire a level of maturity to **make organized arrangements for pooling up the rich knowledge resources from old members of society** and in return for **catering to their intellectual and physical wellbeing in a human way!** Lying on deathbed deeply absorbed in unknown thoughts, it appeared to me as if she was questioning this society!

1

Saima Hameed

Professor Shamim Anwar was one of the sweetest people I've ever met and also one of the kindest of human souls! Author of 'Pakistan Idea', 'Sir Syed Ahmed Khan, as an Educationist' and 'Woman Recreated', and retired Lecturer at Kinnaird College for women (where she worked for decades). She devoted her life and work to her students, her dear ones and for the message of universal humanity, peace, and a just society. Her home was always buzzing with people getting together to discuss intellectual ideas.

Professor Shamim Anwar was an institution in herself. She had travelled extensively in her youth. I remember her telling me how she had walked every bit of London on foot - and how she felt every bit of London was thumping with life. She had a great interest in art and civilisation. When listening to her talk, it was like unravelling pages from an intricate book of history, or that you had just had the opportunity to sit and read an encyclopaedia - except that you were conversing with one.

I remember, as a young girl my sisters who studied at Kinnaird, used to talk so much about Professor Shamim Anwar and one of my sisters, Fariha, who was shy, mentioned to me that she would always approach Professor Shamim Anwar and say 'Salam' to her - since childhood I had a relentless desire to get to know her more. One of the things that struck me about her was that in her youth, when she went to study from McGill University in Canada, she had the opportunity to settle there, but she believed in serving Pakistan and returned back home after completing her Masters in History.

So much was her selflessness, that she chose to defer her Masters in History, that she was due to start at Kinnaird College, to look after her youngest brother when he was born, as her mother was advised complete bed rest after the baby- she chose to look after him over her own career- something few people would do today!

She also served as English editor of monthly Tolu-e-Islam magazine for many years. She was an integral part of Bazm-e-Khawateen, Tolu-eIslam, Lahore which is another platform where I got to see more facets to her incredible personality. It was through meeting with her that I realised that our beautiful country Pakistan had been created for a purpose that was much wider than geographical, racial, lingual boundaries and the mission of people like Sir Syed, Iqbal, Jinnah, and Pervez was to epitomise the Quran's universal message of humanity, unity, equality, equity, peace, freedom of will, and fairness in the governance system so that other countries could

model this beautiful system as an alternative to the selfishness and its evil repercussions observed in capitalism and the bureaucratic corruption exhibited in communism of the time (and still observed today). The fact that the government of Pakistan was hijacked by theocrats, the feudal class, and capitalists with their own agenda's meant that the ideals of the Pakistan Idea have not yet been achieved.

Professor Shamim Anwar was an advocate for the Quranic concept of equality of men and women as propounded in Surah 6 verse 99 that says mankind came into being from a single life cell and in believed in the emancipation of women and she felt that women must not let themselves be commoditised for the promotion of capitalistic gains - rather, their role was in the self actualisation and nurturing of their latent potentialities which the Almighty had provided them, and in promoting greater awareness, justice, and in promoting scientific and rational methods of inquiry and advancement for the benefit of society and humanity.

She will be missed every day!

Pakistan has been deprived of a great historian and humanitarian. In the words of Iqbal:

'Hazaro Saal Nargis Apni BeNoori Par Roti Hae
Bari Mushkil Sae Hota Hae Chaman Mae Deeda War Paeda'

May Allah swt forgive her errors, raise her ranks and grant her a place in Jannah. Ameen.

ملتان کے احباب کے لیے ضروری اطلاع

اب طلوع اسلام کی تمام بکس اور ''طلوع اسلام'' میگزین
مندرجہ ذیل پتہ پر مل سکتا ہے

ملک محمد صفدر ایڈووکیٹ نمبر 54 محمڈن بلاک ضلع کچہری۔ملتان فون نمبر:0334-6093266

رسالہ نہ ملنے کی صورت میں مندرجہ ذیل نمبرز پر رابطہ کریں شکریہ

Cell: 0321-4460787   Phone: 042-35714546

ادارہ طلوعِ اسلام کا ای میل ایڈریس Idarati@gmail.com

Surah *Al-Mutaffifin* (سورة المطففين)

Durus-al-Qur'an Parah 30: Chapter 17

By G. A. Parwez

(Translated by: Dr. Mansoor Alam)

My dear friends, after this beautiful ending of Surah *Al-Infitaar* الانفطار let us begin Surah *Al-Mutaffifin* (**سورة المطففين**) as there is sufficient time still left in our lecture today. This is Surah number 83 and it has deep relationship with the last verse of the previous Surah in a special way.

Thematic continuity in the Quran

My dear friends, it is common practice for scholars to pronounce that there is no continuity in the Quran. They say that the verses of the Quran do not have thematic continuity. What can we say if our "scholars" are not privy to Quran's deep mysteries? It was said in the last verse of Surah *Al-Infitaar* الانفطار : يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْـًٔا ۖ وَالْأَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلَّهِ (82:19) – [It will be] a Day when no human being shall be of the least avail to another human being: for on that Day [it will become manifest that] all sovereignty is God's alone [Asad]. In that period there will be no power or authority whatsoever of humans over other humans. All authority today seems political. But the real authority resides in economic control. Through this economic control elites control the lives of masses. Thus the masses become completely dependent on the system devised by the rich and powerful. This form of dependence is an extreme kind of dependence as Iqbal says in his own unique style:

No one should, on anyone else, be at all dependent;
This, in a nutshell, is the code of Divine argument!

In the beginning of Surah *Al-Infitaar* (الانفطار) it was mentioned that in the period of الدِّيْنِ (*Al-din*) all human authority was annulled except Allah's. It was said that in that period no human will have authority or control over other human. Concerning this economic control it is now mentioned in the very first verse of the current Surah providing perfect thematic continuity: وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ (83:1) – Woe to those that deal in fraud [Yusuf Ali].

My dear friends, the Quran's terminologies are very comprehensive. What

we call capitalism today had not taken on an organized form that it has acquired today. Nowadays it is being practiced as an 'ism' – as in capitalistic system or capitalistic society – which was not the case in earlier times. There was no comprehensive terminology for capitalistic system at the time; but, nonetheless, all the constituents of capitalism were there. If we combine together all those constituents mentioned in the Quran, then we get the capitalism as it is practiced today. In these different constituents of capitalism there are two significant terms the Quran has used: One is مُتْرَفِينَ (*Mutrafin*) – those who lead comfortable and luxurious life on the backs of others, on the blood, sweat, and tears of others; and the other is مُطَفِّفِينَ (*Mutaffifin*) – those who squeeze others, stifle their abilities, and do not let their latent potential to be developed. Before we come to the details of how this is done in capitalism it is necessary to provide some introductory remarks in order to appreciate what the Quran has said in this Surah.

As the world knows there was bitter fight between the forces of Chiang Kai-shek and the Communist forces. This fight was especially significant because America was behind Chiang Kai-shek. Throughout history, if you notice, all the capitalist and hegemonic powers always put someone else ahead to fight and die. This was an important war of the time and the world knew that Chiang Kai-shek was an American puppet. But he was defeated and fled to Taiwan where he established his government.

What were the reasons for his defeat?

After the defeat of Chiang Kai-shek despite considerable military force and equipment and resources provided by America, American government wanted to know the reason for this defeat so that it could learn some lessons for future adventures. Many journalists and intellectuals did considerable research and enquiries about this defeat. Among them was a journalist named Jack Belden who wrote a book about it entitled: *China Shakes the World*. In the preface of his book on the very first page he has mentioned that all types of experts and intellectuals did research and analysis to find the cause of Chiang Kai-shek's defeat. But Belden wrote that what he found to be the main reason for this defeat was this: That Chiang Kai-shek did not have a Mohammad to say to him what he said to the Quresh.

The real reason for defeat is absence of human dignity

What had the Prophet told the Quresh that Belden referred to? Well, the

Prophet (PBUH) told the Quresh: كَلَّا بَل لَّا تُكْرِمُونَ الْيَتِيمَ ۝ وَلَا تَحَاضُّونَ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ ۝ (89:17-18) – O Quresh! The reason for your defeat was that you had established a society in which common people were not considered worthy of respect and were left alone to survive. Only the ones who had a strong party were considered worthy of respect. And he told them that in your society there was no arrangement to help a person who became indigent for any reason. The affluent neither helped him, nor did they persuade others to do so. This was what Jack Belden came to the conclusion for the defeat of Chiang Kai-shek. And that is why he wrote that there was no such Mohammad (PBUH) to tell him this. Well, this isn't just a case of Chiang Kai-shek and China but what the Prophet (PBUH) told the Quresh *is* an Eternal Principle of politics. The defeat is certain for anyone if there is no one like Mohammad (PBUH) to warn him of the verdict of this Eternal Principle. The Quran says that humans have this strange characteristic. فَأَمَّا الْإِنسَانُ إِذَا مَا ابْتَلَاهُ رَبُّهُ فَأَكْرَمَهُ وَنَعَّمَهُ فَيَقُولُ رَبِّي أَكْرَمَنِ ۝ وَأَمَّا إِذَا مَا ابْتَلَاهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهُ فَيَقُولُ رَبِّي أَهَانَنِ ۝ (89:15-16) – But as for man, whenever his Sustainer tries him by His generosity and by letting him enjoy a life of ease, he says, "My Sustainer has been [justly] generous towards me"; whereas, whenever He tries him by straitening his means of livelihood, he says, "My Sustainer has disgraced me!" [Asad].

When humans turn away from the light of the revelation and do not use knowledge and understanding then it means that they do not take the law of action and consequence – the law of requital – seriously even if they are warned about it. The fact is that when human beings turn away from the guidance of وحی (*Wahi* or Revelation) and stop using their minds, then the concept of law disappears from their sight. They forget that any good or bad that happens is the result of individual or collective deeds. The one who does not recognize this reality believes that all these things occur by chance. For instance, owning to this erroneous thinking whenever life takes a favorable turn, a person does not try to find out which actions of his brought about such blessings in his life. Instead he says, "This is Allah's blessing which He bestows on anyone He likes" – implying that there are no set laws or regulations in this regard. However, when life takes an adverse turn and his sustenance becomes restricted, he does not ponder on which action or attitude of his brought this about. He immediately cries out, "My Sustainer has despised and humiliated me for no crime or reason." But they forget that:

كَلَّا بَلْ لَا تُكْرِمُونَ الْيَتِيمَ ۙ وَلَا تَحَاضُّونَ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ (89:17-18) – Nay, but ye (for your part) honor not the orphan and urge not on the feeding of the poor [Pickthall]. You claim that you did not do anything? Well, Allah does not humiliate anyone for no reason. O Prophet (PBUH)! Tell those who think this way that they are absolutely wrong. Allah does not despise or humiliate anyone without reason. The reason for you being disgraced is that you have established a society in which people, who are not considered worthy of respect, have been left alone. Only the ones who have strong party are considered worthy of respect. And in that society there is no arrangement that a person, who becomes indigent for any reason, should not be deprived of sustenance. The affluent neither help him, nor do they persuade others to do so.

Allah does not humiliate anyone

My dear friends, what these affluent people do next? They greedily devour all that which comes into their possession by way of inheritance for their forefathers. Also, at the same time – just as water flows down the valley towards the low-lying places – they hatch plans so that the wealth of other people is sucked towards them. وَتَأْكُلُونَ التُّرَاثَ أَكْلًا لَمًّا ۙ وَتُحِبُّونَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا (89:19-20) – and you devour the inheritance [of others] with devouring greed, and you love wealth with boundless love! [Asad]. In the capitalistic system, small amounts of wealth continue to flow towards large amounts of wealth into the hands of the rich; and all wealth is thus gets collected in the hands of the few. Such an economic system cannot last long. That was why you were so humiliated and disgraced. One doesn't receive respect and honor from Allah just by chance, nor can this be indiscriminately snatched away. Both are the results of human deeds. Remember! This is the thing that will bring destruction for مُطَفِّفِينَ (*Mutaffifin*) – وَيْلٌ لِلْمُطَفِّفِينَ (83:1) – Woe to those that deal in fraud [Yusuf Ali].

Meaning of مُطَفِّفِينَ (*Mutaffifin*)

The root (ط ف ف) meaning of مُطَفِّفِينَ (*Mutaffifin*) is to give someone something in an incomplete form that is of little use to him; to deliver a premature baby camel ; to tie a camel's feet so that it is not able to walk at its normal pace; to constrain one's abilities; to not let one actualize one's potential. The very first verse of this Surah says that those who establish this kind of a system – a system to suck the abilities of others, i.e., the system of *Tatfeef* (تطفیف) – are doomed. This is the meaning according to its root. But the Quran explains the meaning right away in the next verses which do not require any

other source of explanation (e.g., *Tafsir* or interpretation): الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ (83:2-3) – those who, when they are to receive their due from [other] people, demand that it be given in full – but when they have to measure or weigh whatever they owe to others, give less than what is due! [Asad]. This is the system of *Tatfeef* (تطفیف).

The system of Capitalism *is* the system of *Tatfeef* (تطفیف)

My dear friends, you can very well imagine who these people are and what the system is that they establish? In today's terminology it is called Capitalism. These people suck the last drop of the blood of workers and give them in return that is not enough even to fulfil their basic needs. And they do not give workers freedom to move forward because of fear that they could pose a challenge to them. They let workers move ahead only as much as is useful to them. They clip them right away if they try to grow out of their specified limits just as they clip a bush that grows outside the set limits in their manicure garden.

How system of *Tatfeef* (تطفیف) is implemented?

Limits are set, a blueprint is prepared, and boundary lines are drawn by the all-powerful capitalists and their cohorts that no one is allowed to cross except at one's own peril. Those who try to move forward are nipped in the bud; their wings clipped right away. This is the process of *Tatfeef* (تطفیف). They do not give freedom because people will be able to actualize their abilities and realize their potentials and challenge them. They want people to remain enslaved forever. This is *Tatfeef* (تطفیف). There is some subtle point here which makes one rapturous the more one thinks about it and that is: وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ (83:3). In this verse "هُمْ" means that when they measure human beings then they do not give them their due worth. It is worth noting here that they "measure" human beings. They put value on *human* worth. Did you see where the matter has ended? Whatever they give that is a material thing. But they do not give what is owed to workers in return for their effort.

Treatment of candidates under a capitalist system

Whenever one applies for a position then, besides many qualified candidates being rejected, even the one who is offered the position never gets his full worth under a capitalist system. Capitalist system is inherently based on fraud. Those who sit at the top of the pyramid never do any work but decide the fate of everyone else. These are the مُطَفِّفِيْنَ (*Mutaffifin*) and the Quran says about them that وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ (83:1) – Woe to those that deal in fraud [Yusuf Ali].

These مُطَفِّفِيْنَ (*Mutaffifin*) *will* be destroyed. Please look at the relevance and contrast between the verse where the previous Surah ended and the beginning verse of the next Surah. The last verse of the previous Surah said that the system of الدِّيْنَ (*Al-din*) is to preserve the equality of human beings; it is to make sure that all human beings are treated with equal dignity; that no human being will be dependent on another human being for basic needs; that no human being is exploited by any other human being; that everyone gets due result of one's effort. The very first verse of this, the next Surah, says that those who establish a system in opposition to this – the system of *Tatfeef* (تطفیف) – will suffer ultimate destruction: وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ (83:1). The Quran then says: اَلَا يَظُنُّ أُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ (83:4) – Do they not think that they will be called to account? [Yusuf Ali].

تطفیف Human beings are crushed under capitalism, i.e., the system of *Tatfeef* (تطفیف)

My dear friends, the capitalists make sure that they have taken all the precautions against all dangers against their system but the Quran says that they are in delusion about it. They think that no one can harm their system; that their system is foolproof. But, again, our traditional translations of this verse shift this accountability to the Hereafter. For example: Do they not know that they are bound to be raised from the dead [Asad]? Well, the capitalists are crushing human beings here, in this world. So, should they be allowed to continue to crush human beings and continue to squeeze them and continue to suck people's blood until the Hereafter? Would no one question them until then? Is this the system of *Deen* in which the Quran says that there will be no human rule over humans? When the Quran says: – هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ (9:33) – The system that Allah gave to humanity as a code of life called *Al-Deen* (الدِّيْنَ) by the Quran *will*, ultimately, prevail over all other systems of life designed and developed by human minds: – then would this wretched situation remain even under this system of *Al-Deen* (الدِّيْنَ) as well that no matter what is done to human beings there will be no one to hold the blood suckers accountable here in this world; that their accountability would be postponed until the Hereafter? Then, in that case, what is the use of *Al-Deen* (الدِّيْنَ) for the suffering humanity here, in *this* world? How well the poet Ghalib has said:

You may be Maryam's son, so what?
If you don't cure my pain, so what?

Please remember my friends, the Quran has been sent to cure the pain of humanity in *this* world.

We have to determine the correct meanings of Quran's words

I have mentioned many times that if we are able to determine the correct meanings of the words and terms of the Quran then the matter becomes completely clear. All our books of interpretations (*Tafsirs*) and hadith were compiled under the rule of kings. All our translations and interpretations of the Quran are based on those earlier narrations, hadiths, and the original interpretations that were written and compiled during that period. This is the reason the verse: أَلَا يَظُنُّ أُولَٰٓئِكَ أَنَّهُم مَّبْعُوثُونَ (83:4) is translated as: Do they not know that they are bound to be raised from the dead [Asad]? In this verse the word "بَعْثُ" (*Ba'as*) has come whose root meaning is to remove someone from the path. Look at how the meaning of this verse changed as a result of taking the root meaning of the word "مَّبْعُوثُونَ"? These people, these capitalists, these مُطَفِّفِينَ (*Mutaffifin*) who do not give the proper return when they measure and value human worth and thus have become barrier and hindrance in the path of humanity – are they under the illusion that they will not be removed from the path of humanity? That they will continue to suck the blood of humanity until the Day of Judgment? If that was the case then it will be an eternal hopelessness and despair for the humanity. But it is not going to happen. The first evidence of this comes from the life and struggle of the Prophet (PBUH) as to how they were removed from the path of humanity. How the system of الدِّينَ (*Al-din*) was established by the Prophet (PBUH) and how it overpowered and removed all those blood-sucking systems of *Tatfeef* (تطفیف) of the time. As a result no one was dependent; no one was subjugated and exploited. The struggle that the Prophet (PBUH) had with the powerful capitalists and high ranking priests of the Quresh – it was not about idols and idol worship as is made out to be? We believe the story that the Quresh were idol worshippers and had kept idols inside the Ka'ba and the Prophet (PBUH) removed those idols from there; and thus his struggle with the Quresh was over. But then we didn't have this struggle because we don't have idols to remove?

The real struggle was with مُطَفِّفِين (*Mutaffifin*) and مُتْرَفِينَ (*Mutrafin*)

My dear friends, this struggle was not about idol worship. The Quran goes so far as to say to its followers to not say bad things about idols; to not use any derogatory remarks against them. This struggle was against the مُطَفِّفِينَ،

(*Mutaffifin*) and مُتْرَفِين (*Mutrafin*). It is being emphasized here that what do these مُطَفِّفِين (*Mutaffifin*) and مُتْرَفِين (*Mutrafin*) think? Do they think that no one will be able to dislodge them; that no one will be able to remove them from the path of humanity? The big question is: When will they be removed? And the answer: لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ (83:5) – On a Mighty Day [Yusuf Ali]. This will be a Day of a fundamental mighty revolution. That is when these مُطَفِّفِين (*Mutaffifin*) and مُتْرَفِين (*Mutrafin*) will be raised from their powerful platforms and removed from the path of humanity that they had been blocking. And this mighty revolution did occur at the hands of the Prophet (PBUH) and his companions during the first period of Islam. After this period the مُطَفِّفِين (*Mutaffifin*) and مُتْرَفِين (*Mutrafin*) brought back their system of capitalism and imposed it on the *Ummah* that has been continuing among us for thousand years and, in fact, has spread to the entire world now. So, the question is: was that challenge only against the مُطَفِّفِين (*Mutaffifin*) and مُتْرَفِين (*Mutrafin*) of the Quresh who were removed from the way? That the Quran solved this problem then and that was it? Well, the Quran is the guidance for solving problems of humanity forever. The same institutions of *Mulukiyyah*, capitalism, and priesthood came back with a vengeance and entrenched themselves. But the Quran is a challenge against all of them even now as it was then. Therefore, the current مُطَفِّفِين (*Mutaffifin*) and مُتْرَفِين (*Mutrafin*) will also be removed in accordance with the Quran's guidance as they were removed then, in the first period of Islam. And again it *will* happen: لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ(83:5) – On a Mighty Day of Revolution; On the Day of Fundamental Revolution. عَظِيْمٍ ('*Adzeem*) means bones which forms the fundamental structure. So, this revolution will be unlike any other revolution in history. This will be a fundamental revolution, and, as a result of this revolution, مُطَفِّفِين (*Mutaffifin*) and مُتْرَفِين (*Mutrafin*) will be removed from the path of humanity once again.

My dear friends, what is that revolution and when will it happen? We will take these questions in our next lecture as the time up for today's lecture.

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۖ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

O our Sustainer! Accept our humble efforts because you are fully aware of what we speak and what is hidden in our hearts. (2:127)

FOUNDED IN 1938 AT THE BEHEST OF ALLAMA IQBAL[R] AND QUAID-E-AZAM[R]

CPL NO. 28
VOL.69
ISSUE
4

Monthly TOLU-E-ISLAM

25-B, Gulberg 2, Lahore, Pakistan
Phone. 042-35714546 , 042-35753666
E-mail:idarati@gmail.com
web:www.toluislam.com www.facebook.com/talueislam/